لِلّٰہِ المَشرِقُ وَالمَغرِبُ

پیامِ مشرق

(در جوابِ دیوانِ شاعرِ المانوی گوئٹے)

اقبال

سجاد خالد

20 6/23 - مکتبہ عبدالرحیم

ساگرِ مجازی

[illegible]
شیخ مبارک علی تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور

کاپی رائٹ

دیباچہ

"پیام مشرق" کی تصنیف کا محرک جرمن "حکیم حیات" "گوئٹے" کا "مغربی دیوان" ہے جس کی نسبت جرمنی کا اسرائیلی شاعر ہائنا لکھتا ہے۔

"یہ ایک گلدستۂ عقیدت ہے جو مغرب نے مشرق کو بھیجا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اس دیوان سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ مغرب اپنی کمزور اور سرد روحانیت سے بیزار ہو کر مشرق کے سینے سے حرارت کا متلاشی ہے"۔

گوئٹے کا یہ مجموعہ اشعار جو اس کی بہترین تصانیف سے ہے اور جس کو اس نے خود "دیوان" کے نام سے موسوم کیا ہے کن اثرات کا نتیجہ تھا اور کن حالات میں لکھا گیا؟ اس سوال کا جواب دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مختصر طور پر اس تحریک کا ذکر کیا جائے جس کو المانوی ادبیات کی تاریخ میں "تحریک مشرقی" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ میرا قصد تھا کہ اس دیباچے میں تحریک مذکور پر کسی قدر تفصیل سے بحث کروں گا مگر افسوس ہے کہ بہت سا مواد جو اس کے لئے ضروری تھا ہندوستان میں دستیاب نہ ہو سکا۔ پال ہورن۔ تاریخ ادبیات ایران کے مصنف نے اپنے ایک مضمون میں اس امر پر بحث کی ہے کہ گوئٹے کس حد تک شعرائے فارس کا ممنون ہے لیکن رسالہ نارو انڈ سود کا وہ نمبر جس میں مضمون مذکور شائع ہوا تھا نہ ہندوستان کے کسی کتب خانے سے مل سکا نہ جرمنی سے مجبوراً اس دیباچے کی تالیف میں کچھ تو گذشتہ مطالعہ کی یادداشت پر بھروسہ کرتا ہوں اور کچھ مسٹر چارلس ریمی کے مختصر مگر نہایت مفید اور کارآمد رسالے پر جو انہوں نے اس

موضوع پر لکھا ہے۔

ابتدائے شباب ہی سے گوئٹے کی ہمہ گیر طبیعت مشرقی تخیلات کی طرف مائل تھی۔ شٹراس برگ میں جہاں وہ قانون کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ اس کی ملاقات جرمن لٹریچر کی مشہور اور قابلِ احترام شخصیت ہرڈر سے ہوئی جس کی صحبت کے اثرات کو گوئٹے نے خود اپنے سوانح میں تسلیم کیا ہے۔ ہرڈر فارسی نہ جانتا تھا۔ لیکن چونکہ اخلاقی رنگ اس کی طبیعت پر غالب تھا اس واسطے سعدی کی تصانیف سے اُسے نہایت گہری دلچسپی تھی۔ چنانچہ گلستاں کے بعض حصوں کا اس نے جرمن زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ خواجہ حافظ کے رنگ سے اُسے چنداں لگاؤ نہ تھا۔ اپنے معاصرین کو سعدی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتا ہے "حافظ کے رنگ میں ہم بہت کچھ نغمہ سرائی کر چکے۔ اس وقت سعدی کے تلمذ کی ضرورت ہے" لیکن باوجود اس دلچسپی کے جو ہرڈر کو مشرقی لٹریچر سے تھی اس کے اپنے اشعار اور دیگر تصانیف پر مشرقی لٹریچر کا کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا علیٰ ہذا القیاس گوئٹے کا دوسرا معاصر شلر بھی جو مشرقی تحریک کے آغاز سے پہلے ہی مر چکا تھا مشرقی اثرات سے آزاد ہے۔ گو اس بات کو فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اس کے ڈراما "توران دخت" کا پلاٹ مولنا نظامی کے افسانہ "دختر بادشاہ اقلیم چہارم (ہفت پیکر) سے لیا گیا ہے جس کا آغاز مولنا نے اس شعر سے کیا ہے ؎

"گفت کز جملۂ ولائتِ روس
بود شہرے بہ نیکوئی چو عروس"

۱۸۱۲ء میں فان ہیمر نے خواجہ حافظ کے دیوان کا پورا ترجمہ شائع کیا اور اسی ترجمے کی اشاعت سے جرمن ادبیات میں مشرقی تحریک کا آغاز ہوا۔ گوئٹے کی عمر اس وقت ۶۵ سال کی تھی اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ جرمن قوم کا انحطاط ہر پہلو سے انتہا تک پہنچ چکا تھا۔ ملک کی سیاسی تحریکوں میں عملی حصہ لینے کے لئے گوئٹے کی فطرت موزوں نہ تھی

اور یورپ کی عام ہنگامہ آرائیوں سے بیزار ہو کر اس کی بے تاب اور بلند پرواز روح نے مشرقی فضا کے امن و سکون میں اپنے لئے ایک نشیمن تلاش کر لیا۔ حافظ کے ترنم نے اس کے تخیلات میں ایک ہیجانِ عظیم برپا کر دیا۔ جس نے آخر کار "مغربی دیوان" کی ایک پائدار اور مستقل صورت اختیار کر لی۔ مگر فان ہیمر کا ترجمہ گوئٹے کے لئے محض ایک محرک ہی نہ تھا بلکہ اس کے عجیب و غریب تخیلات کا ماخذ بھی تھا۔ بعض بعض جگہ اس کی نظم خواجہ کے اشعار کا آزاد ترجمہ معلوم ہوتی ہے اور بعض جگہ اس کی قوت تخیل کسی خاص مصرع کے اثر سے ایک نئی شاہراہ پر پڑ کر زندگی کے نہائت دقیق اور گہرے مسائل پر روشنی ڈالتی ہے۔ گوئٹے کا مشہور سوانح نگار بیل شوسکی لکھتا ہے:۔

"بلبلِ شیراز کی نغمہ پردازیوں میں گوئٹے کو اپنی ہی تصویر نظر آتی تھی۔ اس کو کبھی کبھی یہ احساس بھی ہوتا تھا۔ کہ شاید میری روح ہی حافظ کے پیکر میں رہ کر مشرق کی سرزمین میں زندگی بسر کر چکی ہے۔ وہی زمینی مسرت، وہی آسمانی محبت، وہی سادگی، وہی عمق، وہی جوش و حرارت، وہی وسعتِ مشرب، وہی کشادہ دلی اور وہی قیود و رسوم سے آزادی! غرضکہ ہر بات میں ہم اُسے حافظ کا مثیل پاتے ہیں۔ جس طرح حافظ لسان الغیب و ترجمانِ اسرار ہے اسی طرح گوئٹے بھی ہے اور جس طرح حافظ کے بظاہر سادہ الفاظ میں ایک جہانِ معنی آباد ہے اسی طرح گوئٹے کے بیساختہ پن میں بھی حقائق و اسرار جلوہ افروز ہیں۔ دونوں نے امیر و غریب سے خراجِ تحسین وصول کیا۔ دونوں نے اپنے اپنے وقت کے عظیم الشان فاتحوں کو اپنی شخصیت سے متاثر کیا (یعنی حافظ نے تیمور[1] کو اور گوئٹے نے نپولین کو) اور دونوں عام تباہی اور بربادی کے زمانے میں طبیعت کے اندرونی اطمینان و سکون کو محفوظ رکھ کر اپنی قدیم ترنم ریزی جاری رکھنے میں کامیاب رہے۔"

[1] خواجہ حافظ اور تیمور کی ملاقات کی روائت صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ خواجہ کا انتقال تیموری فتح شیراز سے پہلے ہو چکا تھا۔

خواجہ حافظ کے علاوہ گوئٹے اپنے تخیلات میں شیخ عطار۔ سعدی فردوسی اور عام اسلامی لٹریچر کا بھی ممنونِ احسان ہے۔ ایک آدھ جگہ ردیف و قافیہ کی قید سے غزل بھی لکھی ہے۔ اپنی زبان میں فارسی استعارات بھی (مثلاً "گوہرِ اشعار" "تیرِ مژگاں" "زلفِ گرہ گیر") بے تکلف استعمال کرتا ہے بلکہ فارسیت کے جوش میں امرد پرستی کی طرف اشارات کرنے سے بھی احتراز نہیں کرتا۔ دیوان کے مختلف حصوں کے نام بھی فارسی ہیں۔ مثلاً مغنی نامہ۔ ساقی نامہ۔ عشق نامہ۔ تیمور نامہ۔ حکمت نامہ وغیرہ۔ باوجود ان سب باتوں کے گوئٹے کسی فارسی شاعر کا مقلد نہیں۔ اور اس کی شاعرانہ فطرت قطعاً آزاد ہے۔ مشرق کے لالہ زاروں میں اس کی نوا پیرائی محض عارضی ہے۔ وہ اپنی مغربیت کو کبھی ہاتھ سے نہیں دیتا اور اس کی نگاہ صرف انہیں مشرقی حقائق پر پڑتی ہے۔ جن کو اس کی مغربی فطرت جذب کر سکتی ہے۔ عجمی تصوف سے اسے مطلق دلچسپی نہ تھی اور گو اسے یہ بات معلوم تھی کہ مشرق میں خواجہ حافظ کے اشعار کی تفسیر تصوف کے نقطۂ نگاہ سے کی جاتی ہے۔ وہ خود تغزلِ محض کا دلدادہ تھا اور کلام حافظ کی صوفی تعبیر سے اسے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ مولینا روم کے فلسفیانہ حقایق و معارف اس کے نزدیک مبہم تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس نے رومی کے کلام پر غائر نگاہ نہیں ڈالی کیونکہ جو شخص سپونوزا (ہالینڈ کا ایک فلسفی جو مسئلہ وحدت الوجود کا قائل تھا) کا مداح ہو اور جس نے برونو (اٹلی کا ایک وجودی فلسفی) کی حمائت میں قلم اٹھایا ہو اس سے ممکن نہیں کہ رومی کا معترف نہ ہو۔

غرضکہ "مغربی دیوان" کی وساطت سے گوئٹے نے جرمن ادبیات میں عجمی روح پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بعد کے شعرا پلاٹن، روکرٹ اور بودن سٹاٹ نے اس مشرقی تحریک کو جس کا آغاز گوئٹے کے دیوان سے ہوا۔ تکمیل تک پہنچایا۔ پلاٹن نے ادبی اغراض کے لئے فارسی زبان سیکھی۔ قافیہ ردیف بلکہ ایرانی عروض کے قواعد کی

پابندی سے غزلیں لکھیں۔ رباعیاں لکھیں اور نپولین پر ایک قصیدہ بھی لکھا۔ گوئٹے کی طرح فارسی استعارات مثلاً "عروسِ گل" "زلفِ مشکیں" "لالہ عذار" کو یہ بھی بے تکلف استعمال کرتا ہے۔ اور تغزلِ محض کا دلدادہ ہے۔ روکرٹ عربی۔ فارسی سنسکرت تینوں مشرقی زبانوں کا ماہر تھا۔ اس کی نگاہ میں فلسفہ رومی کی بڑی وقعت تھی اور اس کی "غزلیات" زیادہ تر مولنا روم ہی کی تقلید میں لکھی گئی ہیں چونکہ السنۂ مشرق کا عالم تھا اس لئے اس کی مشرقی نظم کے مواخذ بھی وسیع تر تھے۔ مخزن الاسرار نظامی بہارستانِ جامی۔ کلیاتِ امیر خسرو۔ گلستانِ سعدی۔ مناقب العارفین عیارِ دانش منطق الطیر۔ ہفت قلزم وغیرہ جہاں جہاں سے حکمت کے موتی ملتے ہیں رول لیتا ہے۔ بلکہ اسلام سے پہلے کی ایرانی روایات و حکایات سے بھی اپنے کلام کو زینت دیتا ہے۔ اسلامی تاریخ کے بعض واقعات بھی اس نے خوب نظم کئے ہیں۔ مثلاً محمود غزنوی کی موت۔ محمود کا حملہ سومنات۔ سلطانہ رضیہ وغیرہ۔ گوئٹے کے بعد سب سے زیادہ مقبول مشرقی رنگ کا شاعر بوڈن سٹاٹ ہے جس نے اپنی نظموں کو مرزا شفیع کے فرضی نام سے شائع کیا۔ یہ چھوٹا سا مجموعہ اس قدر مقبول ہوا کہ تھوڑی ہی مدت میں ۱۴۰ دفعہ شائع ہوا۔ اس شاعر نے عجمی روح کو اس خوبی سے جذب کیا ہے کہ جرمنی میں مرزا شفیع کے اشعار کو لوگ دیر تک فارسی نظم کا ترجمہ تصور کرتے رہے۔ بوڈن سٹاٹ نے امیر معزی اور انوری سے بھی استفادہ کیا ہے۔

اس سلسلے میں میں نے گوئٹے کے مشہور معاصر ہائنا کا ذکر ارادۃً نہیں کیا۔ گرچہ اس کے مجموعۂ اشعار موسوم بہ "اشعارِ تازہ" میں عجمی اثر نمایاں ہے اور محمود و فردوسی کے قصے کو بھی اس نے نہایت خوبی سے نظم کیا ہے تاہم بحیثیت مجموعی مشرقی تحریک سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور اس کی رائے میں گوئٹے کے "مغربی دیوان" کے سوائے جرمن شعرا کا مشرقی کلام کوئی بڑی وقعت نہیں رکھتا۔ لیکن عجمی جادو کی گرفت سے

جرمنی کے اس آزادہ رو شاعر کا دل بھی بچ نہ سکا۔ چنانچہ ایک مقام پر اپنے آپ کو عالمِ خیال میں ایک ایرانی شاعر تصور کرتے ہوئے جس کو جرمنی میں جلاوطن کر دیا گیا ہو۔ لکھتا ہے:۔

"اے فردوسی! اے جامی! اے سعدی! تمہارا بھائی زندانِ غم میں اسیر شیراز کے پھولوں کے لئے تڑپ رہا ہے۔"

کم درجے کے شعرا میں خواجہ حافظ کا مقلد ڈومر۔ ہرمن ستال۔ لوشنکے۔ سٹاگ لٹز لنٹ ہولڈ اور فان شاک بھی قابلِ ذکر ہیں۔ موخرالذکر علمی دنیا میں اونچا پایہ رکھتا تھا۔ اس کی نظمیں قصہ انصاف محمود غزنوی اور قصۂ ہاروت و ماروت مشہور ہیں۔ اور بحیثیت مجموعی اس کے کلام میں عمر خیام کا اثر زیادہ نمایاں ہے۔ لیکن مشرقی تحریک کی پوری تاریخ لکھنے اور جرمن اور ایرانی شعرا کا تفصیلی مقابلہ کرکے عجمی اثرات کی صحیح وسعت معلوم کرنے کے لئے ایک طویل مطالعہ کی ضرورت ہے جس کے لئے نہ وقت میسر ہے نہ سامان۔ ممکن ہے کہ یہ مختصر سا خاکہ کسی نوجوان کے دل میں تحقیق و تدقیق کا جوش پیدا کر دے۔

"پیامِ مشرق" کے متعلق جو "مغربی دیوان" سے سو سال بعد لکھا گیا ہے مجھے کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ ناظرین خود اندازہ کر لیں گے۔ کہ اس کا مدعا زیادہ تر ان اخلاقی مذہبی اور ملی حقائق کو پیشِ نظر لانا ہے جن کا تعلق افراد و اقوام کی باطنی تربیت سے ہے۔ اس سے سو سال پیشتر کی جرمنی اور مشرق کی موجودہ حالت میں کچھ نہ کچھ مماثلت ضرور ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقوامِ عالم کا باطنی اضطراب جس کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہم محض اس واسطے نہیں لگا سکتے کہ خود اس اضطراب سے متاثر ہیں ایک بہت بڑے روحانی اور تمدنی انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ یورپ کی جنگِ عظیم ایک قیامت تھی جس نے پرانی دنیا کے نظام کو قریباً ہر پہلو سے فنا کر دیا ہے۔ اور

اب تہذیب و تمدن کے خاکستر سے فطرت زندگی کی گہرائیوں میں ایک نیا آدم اور اس کے رہنے کے لئے ایک نئی دنیا تعمیر کر رہی ہے جس کا ایک دھندلا سا خاکہ ہمیں حکیم آئن سٹائن اور برگساں کی تصانیف میں ملتا ہے۔ یورپ نے اپنے علمی اخلاقی اور اقتصادی نصب العین کے خوفناک نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے ہیں اور سائنیر نیٹی (سابق وزیر اعظم اطالیہ) سے "انحطاطِ فرنگ" کی دلخراش داستان بھی سن لی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کے نکتہ رس مگر قدامت پرست مدبرین اس حیرت انگیز انقلاب کا صحیح اندازہ نہیں کر سکے جو انسانی ضمیر میں اس وقت واقع ہو رہا ہے۔ خالص ادبی اعتبار سے دیکھیں تو جنگِ عظیم کی کوفت کے بعد یورپ کے قوائے حیات کا اضمحلال ایک صحیح اور پختہ ادبی نصب العین کی نشوونما کے لئے نامساعد ہے۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ اقوام کے طبائع پر وہ فرسودہ سست رگ اور زندگی کی دشواریوں سے گریز کرنے والی عجمیت غالب نہ آجائے جو جذباتِ قلب کو افکارِ دماغ سے تمیز نہیں کر سکتی۔ البتہ امریکہ مغربی تہذیب کے عناصر میں ایک صحیح عنصر معلوم ہوتا ہے اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ ملک قدیم روایات کی زنجیروں سے آزاد ہے اور اس کا اجتماعی وجدان نئے اثرات و افکار کو آسانی سے قبول کر سکتا ہے۔

مشرق اور بالخصوص اسلامی مشرق نے صدیوں کی مسلسل نیند کے بعد آنکھ کھولی ہے مگر اقوامِ مشرق کو یہ محسوس کر لینا چاہئے کہ زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو اور کوئی نئی دنیا خارجی وجود اختیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا وجود پہلے انسانوں کے ضمیر میں متشکل نہ ہو۔ فطرت کا یہ اٹل قانون جس کو قرآن نے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے زندگی کے فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے اور میں نے اپنی فارسی

جرمنی کے اس آزادہ رو شاعر کا دل بھی بچ نہ سکا۔ چنانچہ ایک مقام پر اپنے آپ کو عالمِ خیال میں ایک ایرانی شاعر تصور کرتے ہوئے جس کو جرمنی میں جلاوطن کر دیا گیا ہو۔ لکھتا ہے :-

"اے فردوسی! اے جامی! اے سعدی! تمہارا بھائی زندانِ غم میں اسیر شیراز کے پھولوں کے لئے تڑپ رہا ہے۔"

کم درجے کے شعرا میں خواجہ حافظ کا مقلد ڈومر۔ ہرمن سٹال۔ لوشنکے۔ سٹانگ لٹز لنٹ ہولڈ اور فان شاک بھی قابلِ ذکر ہیں۔ موخر الذکر علمی دنیا میں اونچا پایہ رکھتا تھا۔ اس کی نظمیں قصہ انصاف محمود غزنوی اور قصۂ ہاروت و ماروت مشہور ہیں۔ اور بحیثیت مجموعی اس کے کلام میں عمر خیام کا اثر زیادہ نمایاں ہے۔ لیکن مشرقی تحریک کی پوری تاریخ لکھنے اور جرمن اور ایرانی شعرا کا تفصیلی مقابلہ کرکے عجمی اثرات کی صحیح وسعت معلوم کرنے کے لئے ایک طویل مطالعہ کی ضرورت ہے جس کے لئے نہ وقت میسر ہے نہ سامان۔ ممکن ہے کہ یہ مختصر سا خاکہ کسی نوجوان کے دل میں تحقیق و تدقیق کا جوش پیدا کر دے۔

"پیامِ مشرق" کے متعلق جو "مغربی دیوان" سے سو سال بعد لکھا گیا ہے مجھے کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ ناظرین خود اندازہ کرلیں گے۔ کہ اس کا مدعا زیادہ تر ان اخلاقی مذہبی اور ملی حقائق کو پیشِ نظر لانا ہے جن کا تعلق افراد و اقوام کی باطنی تربیت سے ہے۔ اس سے سو سال پیشتر کی جرمنی اور مشرق کی موجودہ حالت میں کچھ نہ کچھ مماثلت ضرور ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقوامِ عالم کا باطنی اضطراب جس کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہم محض اس واسطے نہیں لگا سکتے کہ خود اس اضطراب سے متاثر ہیں ایک بہت بڑے روحانی اور تمدنی انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ یورپ کی جنگ عظیم ایک قیامت تھی جس نے پرانی دنیا کے نظام کو قریباً ہر پہلو سے فنا کر دیا ہے۔ اور

اب تہذیب و تمدن کے خاکستر سے فطرت زندگی کی گہرائیوں میں ایک نیا آدم اور اس کے رہنے کے لئے ایک نئی دنیا تعمیر کر رہی ہے جس کا ایک دھندلا سا خاکہ ہمیں حکیم آئن سٹائن اور برگساں کی تصانیف میں ملتا ہے۔ یورپ نے اپنے علمی اخلاقی اور اقتصادی نصب العین کے خوفناک نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے ہیں اور سائنر نیٹی (سابق وزیر اعظم اطالیہ) سے "انحطاطِ فرنگ" کی دلخراش داستان بھی سن لی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کے نکتہ رس مگر قدامت پرست مدبرین اس حیرت انگیز انقلاب کا صحیح اندازہ نہیں کر سکے جو انسانی ضمیر میں اس وقت واقع ہو رہا ہے۔ خالص ادبی اعتبار سے دیکھیں تو جنگ عظیم کی کوفت کے بعد یورپ کے قوائے حیات کا اضمحلال ایک صحیح اور پختہ ادبی نصب العین کی نشوونما کے لئے نامساعد ہے۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ اقوام کے طبائع پر وہ فرسودہ سست رگ اور زندگی کی دشواریوں سے گریز کرنے والی عجمیت غالب نہ آجائے جو جذباتِ قلب کو افکارِ دماغ سے تمیز نہیں کر سکتی۔ البتہ امریکہ مغربی تہذیب کے عناصر میں ایک صحیح عنصر معلوم ہوتا ہے اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ ملک قدیم روایات کی زنجیروں سے آزاد ہے اور اس کا اجتماعی وجدان نئے اثرات و افکار کو آسانی سے قبول کر سکتا ہے۔

مشرق اور بالخصوص اسلامی مشرق نے صدیوں کی مسلسل نیند کے بعد آنکھ کھولی ہے مگر اقوامِ مشرق کو یہ محسوس کر لینا چاہئے کہ زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو اور کوئی نئی دنیا خارجی وجود اختیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا وجود پہلے انسانوں کے ضمیر میں متشکل نہ ہو۔ فطرت کا یہ اٹل قانون جس کو قرآن نے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے زندگی کے فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے اور میں نے اپنی فارسی

موضوع پر لکھا ہے۔

ابتدائے شباب ہی سے گوئٹے کی ہمہ گیر طبیعت مشرقی تخیلات کی طرف مائل تھی۔ سٹراس برگ میں جہاں وہ قانون کے مطالعہ میں مصروف تھا۔ اس کی ملاقات جرمن لٹریچر کی مشہور اور قابلِ احترام شخصیت ہرڈر سے ہوئی جس کی صحبت کے اثرات کو گوئٹے نے خود اپنے سوانح میں تسلیم کیا ہے۔ ہرڈر فارسی نہ جانتا تھا۔ لیکن چونکہ اخلاقی رنگ اس کی طبیعت پر غالب تھا اس واسطے سعدی کی تصانیف سے اُسے نہایت گہری دلچسپی تھی۔ چنانچہ گلستاں کے بعض حصوں کا اس نے جرمن زبان میں ترجمہ بھی کیا ہے۔ خواجہ حافظ کے رنگ سے اُسے چنداں لگاؤ نہ تھا۔ اپنے معاصرین کو سعدی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھتا ہے" حافظ کے رنگ میں ہم بہت کچھ نغمہ سرائی کر چکے۔ اس وقت سعدی کے تلمذ کی ضرورت ہے" لیکن باوجود اس دلچسپی کے جو ہرڈر کو مشرقی لٹریچر سے تھی اس کے اپنے اشعار اور دیگر تصانیف پر مشرقی لٹریچر کا کوئی اثر معلوم نہیں ہوتا علیٰ ہذا القیاس گوئٹے کا دوسرا معاصر شلر بھی جو مشرقی تحریک کے آغاز سے پہلے ہی مر چکا تھا مشرقی اثرات سے آزاد ہے۔ گو اس بات کو فراموش نہ کرنا چاہئے کہ اس کے ڈراما "توران دخت" کا پلاٹ مولٰنا نظامی کے افسانۂ دختر پادشاہ اقلیم چہارم (ہفت پیکر) سے لیا گیا ہے جس کا آغاز مولٰنا نے اس شعر سے کیا ہے ؎

"گفت کز جملۂ ولائتِ روس
بود شہرے بہ نیکوئی چو عروس"

۱۸۱۲ء میں فان ہیمر نے خواجہ حافظ کے دیوان کا پورا ترجمہ شائع کیا اور اسی ترجمے کی اشاعت سے جرمن ادبیات میں مشرقی تحریک کا آغاز ہوا۔ گوئٹے کی عمر اس وقت ۶۵ سال کی تھی اور یہ وہ زمانہ تھا جب کہ جرمن قوم کا انحطاط ہر پہلو سے انتہا تک پہنچ چکا تھا۔ ملک کی سیاسی تحریکوں میں عملی حصہ لینے کے لئے گوئٹے کی فطرت موزوں نہ تھی

اور یورپ کی عام ہنگامہ آرائیوں سے بیزار ہو کر اس کی بے تاب اور بلند پرواز رُوح نے مشرقی فضا کے امن و سکون میں اپنے لئے ایک نشیمن تلاش کر لیا۔ حافظ کے ترنم نے اس کے تخیلات میں ایک ہیجانِ عظیم برپا کر دیا۔ جس نے آخر کار "مغربی دیوان" کی ایک پائدار اور مستقل صورت اختیار کر لی۔ مگر فان ہیمر کا ترجمہ گوئٹے کے لئے محض ایک محرک ہی نہ تھا بلکہ اس کے عجیب و غریب تخیلات کا ماخذ بھی تھا۔ بعض بعض جگہ اس کی نظم خواجہ کے اشعار کا آزاد ترجمہ معلوم ہوتی ہے اور بعض جگہ اس کی قوت تخیل کسی خاص مصرع کے اثر سے ایک نئی شاہراہ پر پڑ کر زندگی کے نہائت دقیق اور گہرے مسائل پر روشنی ڈالتی ہے۔ گوئٹے کا مشہور سوانح نگار بیل شوسکی لکھتا ہے :۔

"بلبلِ شیراز کی نغمہ پردازیوں میں گوئٹے کو اپنی ہی تصویر نظر آتی تھی۔ اس کو کبھی کبھی یہ احساس بھی ہوتا تھا۔ کہ شاید میری روح ہی حافظ کے پیکر میں رہ کر مشرق کی سرزمین میں زندگی بسر کر چکی ہے۔ وہی زمینی مسرت، وہی آسمانی محبت، وہی سادگی، وہی عمق، وہی جوش و حرارت، وہی وسعتِ مشرب، وہی کشادہ دلی اور وہی قیود و رسوم سے آزادی! غرضکہ ہر بات میں ہم اُسے حافظ کا مثیل پاتے ہیں۔ جس طرح حافظ لسان الغیب و ترجمانِ اسرار ہے اسی طرح گوئٹے بھی ہے اور جس طرح حافظ کے بظاہر سادہ الفاظ میں ایک جہانِ معنی آباد ہے اسی طرح گوئٹے کے بیساختہ پن میں بھی حقائق و اسرار جلوہ افروز ہیں۔ دونوں نے امیر و غریب سے خراجِ تحسین وصول کیا۔ دونوں نے اپنے اپنے وقت کے عظیم الشان فاتحوں کو اپنی شخصیت سے متاثر کیا (یعنی حافظ نے تیمور[1] کو اور گوئٹے نے نپولین کو) اور دونوں عام تباہی اور بربادی کے زمانے میں طبیعت کے اندرونی اطمینان و سکون کو محفوظ رکھ کر اپنی قدیم ترنم ریزی جاری رکھنے میں کامیاب رہے۔"

[1] خواجہ حافظ اور تیمور کی ملاقات کی روائت صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ خواجہ کا انتقال تیموری فتح شیراز سے پہلے ہو چکا تھا۔

خواجہ حافظ کے علاوہ گوئٹے اپنے تخیلات میں شیخ عطار۔ سعدی فردوسی اور عام اسلامی لٹریچر کا بھی ممنونِ احسان ہے۔ ایک آدھ جگہ ردیف و قافیہ کی قید سے غزل بھی لکھی ہے۔ اپنی زبان میں فارسی استعارات بھی (مثلاً "گوہر اشعار" "تیرِ مژگاں" "زلفِ گرہ گیر") بے تکلف استعمال کرتا ہے بلکہ فارسیت کے جوش میں امرد پرستی کی طرف اشارات کرنے سے بھی احتراز نہیں کرتا۔ دیوان کے مختلف حصوں کے نام بھی فارسی ہیں۔ مثلاً مغنی نامہ۔ ساقی نامہ۔ عشق نامہ۔ تیمور نامہ۔ حکمت نامہ وغیرہ۔ باوجود ان سب باتوں کے گوئٹے کسی فارسی شاعر کا مقلد نہیں۔ اور اس کی شاعرانہ فطرت قطعاً آزاد ہے۔ مشرق کے لالہ زاروں میں اس کی نوا پیرائی محض عارضی ہے۔ وہ اپنی مغربیت کو کبھی ہاتھ سے نہیں دیتا اور اس کی نگاہ صرف انہیں مشرقی حقائق پر پڑتی ہے۔ جن کو اس کی مغربی فطرت جذب کر سکتی ہے۔ عجمی تصوف سے اسے مطلق دلچسپی نہ تھی اور گو اسے یہ بات معلوم تھی کہ مشرق میں خواجہ حافظ کے اشعار کی تفسیر تصوف کے نقطۂ نگاہ سے کی جاتی ہے۔ وہ خود تغزلِ محض کا دلدادہ تھا اور کلام حافظ کی صوفی تعبیر سے اسے کوئی ہمدردی نہ تھی۔ مولینا روم کے فلسفیانہ حقایق و معارف اس کے نزدیک مبہم تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس نے رومی کے کلام پر غائر نگاہ نہیں ڈالی کیونکہ جو شخص سپنوزا (ہالینڈ کا ایک فلسفی جو مسئلہ وحدت الوجود کا قائل تھا) کا مداح ہو اور جس نے برونو (اٹلی کا ایک وجودی فلسفی) کی حمائت میں قلم اٹھایا ہو اس سے ممکن نہیں کہ رومی کا معترف نہ ہو۔

غرضکہ "مغربی دیوان" کی وساطت سے گوئٹے نے جرمن ادبیات میں عجمی روح پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بعد کے شعرا پلاٹن، روکرٹ اور بودن سٹاٹ نے اس مشرقی تحریک کو جس کا آغاز گوئٹے کے دیوان سے ہوا۔ تکمیل تک پہنچایا۔ پلاٹن نے ادبی اغراض کے لئے فارسی زبان سیکھی۔ قافیہ ردیف بلکہ ایرانی عروض کے قواعد کی

پابندی سے غزلیں لکھیں۔ رباعیاں لکھیں اور نپولین پر ایک قصیدہ بھی لکھا۔ گوئٹے کی طرح فارسی استعارات مثلاً "عروسِ گل" "زلفِ مشکیں" "لالہ عذار" کو بھی بے تکلف استعمال کرتا ہے۔ اور تغزلِ محض کا دلدادہ ہے۔ روکرٹ عربی۔ فارسی سنسکرت تینوں مشرقی زبانوں کا ماہر تھا۔ اس کی نگاہ میں فلسفہ رومی کی بڑی وقعت تھی اور اس کی "غزلیات" زیادہ تر مولنا روم ہی کی تقلید میں لکھی گئی ہیں چونکہ السنۂ مشرقیہ کا عالم تھا اس لئے اس کی مشرقی نظم کے مواخذ بھی وسیع تر تھے۔ مخزن الاسرار نظامی بہارستانِ جامی۔ کلیاتِ امیر خسرو۔ گلستانِ سعدی۔ مناقب العارفین عیار دانش منطق الطیر۔ ہفت قلزم وغیرہ جہاں جہاں سے حکمت کے موتی ملتے ہیں رول لیتا ہے۔ بلکہ اسلام سے پہلے کی ایرانی روایات وحکایات سے بھی اپنے کلام کو زینت دیتا ہے۔ اسلامی تاریخ کے بعض واقعات بھی اس نے خوب نظم کئے ہیں۔ مثلاً محمود غزنوی کی موت۔ محمود کا حملہ سومنات۔ سلطانہ رضیہ وغیرہ۔ گوئٹے کے بعد سب سے زیادہ مقبول مشرقی رنگ کا شاعر بوڈن سٹاٹ ہے جس نے اپنی نظموں کو مرزا شفیع کے فرضی نام سے شائع کیا۔ یہ چھوٹا سا مجموعہ اس قدر مقبول ہوا کہ تھوڑی ہی مدت میں ۱۴۰ دفعہ شائع ہوا۔ اس شاعر نے عجمی روح کو اس خوبی سے جذب کیا ہے کہ جرمنی میں مرزا شفیع کے اشعار کو لوگ دیر تک فارسی نظم کا ترجمہ تصور کرتے رہے۔ بوڈن سٹاٹ نے امیر معزی اور انوری سے بھی استفادہ کیا ہے۔

اس سلسلے میں میں نے گوئٹے کے مشہور معاصر ہائنا کا ذکر ارادۃً نہیں کیا۔ اگرچہ اس کے مجموعۂ اشعار موسوم بہ "اشعار تازہ" میں عجمی اثر نمایاں ہے اور محمود و فردوسی کے قصے کو بھی اس نے نہایت خوبی سے نظم کیا ہے تاہم بحیثیت مجموعی مشرقی تحریک سے اس کا کوئی تعلق نہیں اور اس کی رائے میں گوئٹے کے "مغربی دیوان" کے سوائے جرمن شعرا کا مشرقی کلام کوئی بڑی وقعت نہیں رکھتا۔ لیکن عجمی جادو کی گرفت سے

جرمنی کے اس آزادہ رو شاعر کا دل بھی بچ نہ سکا۔ چنانچہ ایک مقام پر اپنے آپ کو عالمِ خیال میں ایک ایرانی شاعر تصور کرتے ہوئے جس کو جرمنی میں جلاوطن کر دیا گیا ہو۔ لکھتا ہے :۔

"اے فردوسی ! اے جامی ! اے سعدی ! تمہارا بھائی زندانِ غم میں اسیر شیراز کے پھولوں کے لئے تڑپ رہا ہے۔"

کم درجے کے شعرا میں خواجہ حافظ کا مقلد ڈومر۔ ہرمن سٹال۔ لوشکے۔ سٹاگ لٹز لنٹ ہولڈ اور فان شاک بھی قابلِ ذکر ہیں۔ موخر الذکر علمی دنیا میں اونچا پایہ رکھتا تھا۔ اس کی نظمیں قصہ انصاف محمود غزنوی اور قصۂ ہاروت و ماروت مشہور ہیں۔ اور بحیثیت مجموعی اس کے کلام میں عمر خیام کا اثر زیادہ نمایاں ہے۔ لیکن مشرقی تحریک کی پوری تاریخ لکھنے اور جرمن اور ایرانی شعرا کا تفصیلی مقابلہ کر کے عجمی اثرات کی صحیح وسعت معلوم کرنے کے لئے ایک طویل مطالعہ کی ضرورت ہے جس کے لئے نہ وقت میسر ہے نہ سامان۔ ممکن ہے کہ یہ مختصر سا خاکہ کسی نوجوان کے دل میں تحقیق و تدقیق کا جوش پیدا کر دے۔

"پیامِ مشرق" کے متعلق جو "مغربی دیوان" سے سو سال بعد لکھا گیا ہے مجھے کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ ناظرین خود اندازہ کر لیں گے۔ کہ اس کا مدعا زیادہ تر ان اخلاقی مذہبی اور ملی حقائق کو پیشِ نظر لانا ہے جن کا تعلق افراد و اقوام کی باطنی تربیت سے ہے۔ اس سے سو سال پیشتر کی جرمنی اور مشرق کی موجودہ حالت میں کچھ نہ کچھ مماثلت ضرور ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اقوامِ عالم کا باطنی اضطراب جس کی اہمیت کا صحیح اندازہ ہم محض اس واسطے نہیں لگا سکتے کہ خود اس اضطراب سے متاثر ہیں ایک بہت بڑے روحانی اور تمدنی انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ یورپ کی جنگِ عظیم ایک قیامت تھی جس نے پرانی دنیا کے نظام کو قریباً ہر پہلو سے فنا کر دیا ہے۔ اور

اب تہذیب و تمدن کے خاکستر سے فطرت زندگی کی گہرائیوں میں ایک نیا آدم اور اس کے رہنے کے لئے ایک نئی دنیا تعمیر کر رہی ہے جس کا ایک دھندلا سا خاکہ ہمیں حکیم آئن سٹائن اور برگساں کی تصانیف میں ملتا ہے۔ یورپ نے اپنے علمی اخلاقی اور اقتصادی نصب العین کے خوفناک نتائج اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے ہیں اور سائنر نیٹی (سابق وزیر اعظم اطالیہ) سے "انحطاطِ فرنگ" کی دلخراش داستان بھی سن لی ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس کے نکتہ رس مگر قدامت پرست مدبرین اس حیرت انگیز انقلاب کا صحیح اندازہ نہیں کر سکے جو انسانی ضمیر میں اس وقت واقع ہو رہا ہے۔ خالص ادبی اعتبار سے دیکھیں تو جنگِ عظیم کی کوفت کے بعد یورپ کے قوائے حیات کا اضمحلال ایک صحیح اور پختہ ادبی نصب العین کی نشو و نما کے لئے نامساعد ہے۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ اقوام کے طبائع پر وہ فرسودہ سست رگ اور زندگی کی دشواریوں سے گریز کرنے والی عجمیت غالب نہ آ جائے جو جذباتِ قلب کو افکارِ دماغ سے متمیز نہیں کر سکتی۔ البتہ امریکہ مغربی تہذیب کے عناصر میں ایک صحیح عنصر معلوم ہوتا ہے اور اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ یہ ملک قدیم روایات کی زنجیروں سے آزاد ہے اور اس کا اجتماعی وجدان نئے اثرات و افکار کو آسانی سے قبول کر سکتا ہے۔

مشرق اور بالخصوص اسلامی مشرق نے صدیوں کی مسلسل نیند کے بعد آنکھ کھولی ہے مگر اقوامِ مشرق کو یہ محسوس کر لینا چاہئے کہ زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی جب تک کہ پہلے اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو اور کوئی نئی دنیا خارجی وجود اختیار نہیں کر سکتی جب تک کہ اس کا وجود پہلے انسانوں کے ضمیر میں متشکل نہ ہو۔ فطرت کا یہ اٹل قانون جس کو قرآن نے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ کے سادہ اور بلیغ الفاظ میں بیان کیا ہے زندگی کے فردی اور اجتماعی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہے اور میں نے اپنی فارسی

تصانیف میں اسی صداقت کو مدنظر رکھنے کی کوشش کی ہے۔

اس وقت دنیا میں اور بالخصوص ممالک مشرق میں ہر ایسی کوشش جس کا مقصد افراد و اقوام کی نگاہ کو جغرافی حدود سے بالاتر کر کے ان میں ایک صحیح اور قوی انسانی سیرت کی تجدید یا تولید ہو۔ قابل احترام ہے۔ اسی بنا پر میں نے ان چند اوراق کو اعلیحضرت فرمانروائے افغانستان کے نام نامی سے منسوب کیا ہے کہ وہ اپنی فطری ذہانت و فطانت سے اس نکتے سے بخوبی آگاہ معلوم ہوتے ہیں۔ اور افغانوں کی تربیت انہیں خاص طور پر مدنظر ہے۔ اس عظیم الشان کام میں خدا تعالےٰ اُن کا حامی و ناصر ہو۔

آخر میں میں اپنے دوست چوہدری محمد حسینؐ صاحب ایم۔اے کا سپاس گذار ہوں کہ انہوں نے "پیام مشرق" کے مسودات کو اشاعت کے لئے مرتب کیا۔ اگر وہ یہ زحمت گوارا نہ کرتے تو غالباً اس مجموعے کی اشاعت میں بہت تعویق ہوتی۔

اقبال

پیشکش

بحضور اعلیٰحضرت امیر امان اللہ خان
فرمانروائے دولت مستقلۂ افغانستان

خلد اللہ ملکہٗ و اجلالہٗ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ای امیر کامگار ای شہریار　　نوجوان و مثل پیران پختہ کار

چشم تو از پردگیہا محرم است　　دل میان سینہ ات جام جم است

عزم تو پایندہ چون کہسار تو　　حزم تو آسان کند دشوار تو

ہمت تو چون خیال من بلند　　ملت صد پارہ را شیرازہ بند

هدیه از شاهنشهان داری بسے — لعل و یاقوتِ گران داری بسے

اے امیر، ابنِ امیر، ابنِ امیر

هدیهٔ از بینوائے هم پذیر!

تا مرا رمزِ حیات آموختند — آتشے در سینه‌ام افروختند

یک نوائے سینه تاب آورده‌ام — عشق را عهدِ شباب آورده‌ام

پیرِ مغرب شاعرِ المانوی (۱) — آن قتیلِ شیوه ہائے پهلوی

بست نقشِ شاهدانِ شوخ و شنگ — داد مشرق را سلامے از فرنگ

در جوابش گفته‌ام پیغامِ شرق — ماه تابے ریختم بر شامِ شرق

تا شناسائے خودم خودبین نیم — با تو گویم او که بود و من کیم

او ز افرنگی جوانان مثلِ برق — شعلهٔ من از دمِ پیرانِ شرق

او چمن زادے چمن پروردهٔ — من دمیدم از زمینِ مردهٔ

او چو بلبل در چمن فردوسِ گوش — من بصحرا چون جرس گرمِ خروش

(۱) شاعرِ المانوی۔ گوئٹے

هر دو دانائے ضمیرِ کائنات — هر دو پیغامِ حیات اندر ممات

هر دو خنجر صبح خند، آئینه فام — او برهنه من هنوز اندر نیام

هر دو گوهر ارجمند و تاب دار — زادهٔ دریائے ناپیدا کنار

او ز شوخی در تهِ قلزم تپید — تا گریبانِ صدف را بر درید

من بآغوشِ صدف تابم هنوز — در ضمیرِ بحر ناپایابم هنوز

آشنائے من ز من بیگانه رفت — از خمستانم تهی پیمانه رفت

من شکوهِ خسروی او را دهم — تختِ کسریٰ زیرِ پائے او نهم

او حدیثِ دلبری خواهد ز من — رنگ و آبِ شاعری خواهد ز من

کم نظر بیتابیِ جانم ندید — آشکارم دید و پنهانم ندید

فطرتِ من عشق را در بر گرفت — صحبتِ خاشاک و آتش در گرفت

حق رموزِ ملک و دیں بر من کشود — نقشِ غیر از پردهٔ چشمم ربود

برگِ گل رنگیں ز مضمونِ من است — مصرعِ من قطرهٔ خونِ من است

تا نہ پنداری سخن دیوانگیست | در کمالِ ایں جنوں فرزانگیست
از ہنر سرمایہ دارم کردہ اند | در دیارِ ہند خوارم کردہ اند
لالہ و گل از نوایم بے نصیب | طائرم در گلستانِ خود غریب!

بسکہ گردوں سفلہ و دوں پرور است
وائے بر مردے کہ صاحب جوہر است

دیدۂ اے خسروِ کیواں جناب | آفتابِ ما توارت بالحجاب
ابطحی در دشتِ خویش از راہ رفت | از دمِ او سوزِ الا اللہ رفت
مصریاں افتادہ در گردابِ نیل | سست رگ تورانیان ژندہ پیل
آلِ عثماں در شکنجِ روزگار | مشرق و مغرب ز خونش لالہ زار
عشق را آئینِ سلمانی نماند | خاکِ ایراں ماند و ایرانی نماند
سوز و سازِ زندگی رفت از گلش | آں کہن آتش فسرد اندر دلش
مسلمِ ہندی شکم را بندۂ | خود فروشے دل ز دیں برکندۂ

در مسلماں شانِ محبوبی نماند
خالدؓ و فاروقؓ و ایوبی نماند

اے ترا فطرت ضمیرِ پاک داد | از غمِ دیں سینۂ صد چاک داد
تازہ کن آئینِ صدیقؓ و عمرؓ | چوں صبا بر لالۂ صحرا گذر
ملتِ آوارۂ کوہ و دمن | در رگِ او خونِ شیراں موجزن
زیرک و روئیں تن و روشن جبیں | چشمِ او چوں جرّہ بازاں تیز بیں
قسمتِ خود از جہاں نایافتہ | کوکبِ تقدیرِ او ناتافتہ
در قہستاں خلوتے ورزیدۂ | رستخیزِ زندگی نادیدۂ
جانِ تو بر محنتِ پیہم صبور | کوش در تہذیبِ افغانِ غیور

تا ز صدیقانِ ایں امت شوی
بہرِ دیں سرمایۂ قوت شوی

زندگی جہد است و استحقاق نیست | جز بعلمِ انفس و آفاق نیست

گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر　　ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر
سیدِ کل، صاحبِ ام الکتاب　　پردگیہا بر ضمیرش بے حجاب
گرچہ عینِ ذات را بے پردہ دید　　رَبِّ زِدْنِی از زبانِ او چکید
علمِ اشیا علم الاسماستے　　ہم عصا و ہم یدِ بیضاستے
علمِ اشیا داد مغرب را فروغ　　حکمتِ او ماست می بندد ز دوغ
جانِ ما را لذتِ احساس نیست　　خاکِ رہ جز ریزۂ الماس نیست
علم و دولت نظمِ کارِ ملت است　　علم و دولت اعتبارِ ملت است
آں یکے از سینۂ احرار گیر　　واں دگر از سینۂ کہسار گیر
دشنہ زن در پیکرِ ایں کائنات　　در شکم دارد گہر چوں سومنات

لعلِ ناب اندر بدخشانِ تو ہست
برقِ سینا در قہستانِ تو ہست

کشورِ محکم اساسے بایدت؟　　دیدۂ مردم شناسے بایدت

اے بسا آدم کہ ابلیسی کند　　اے بسا شیطاں کہ ادریسی کند
رنگِ او نیرنگ و بودِ او نمود　　اندرونِ او چو داغِ لالہ دود
پاکباز و کعبتینِ او دغل　　ریمن و غدر و نفاق اندر بغل
درنگر اے خسروِ صاحب نظر　　نیست ہر سنگے کہ می تابد گہر
مرشدِ رومی حکیمِ پاک زاد　　سرِّ مرگ و زندگی برما کشاد

"ہر ہلاکِ امتِ پیشیں کہ بود
زانکہ بر جندل[1] گماں بردند عود" (رومی)

سروری در دینِ ما خدمت گری است　　عدلِ فاروقی و فقرِ حیدری است
در ہجومِ کارہائے ملک و دیں　　با دلِ خود یک نفس خلوت گزیں
ہر کہ یک دم در کمینِ خود نشست　　ہیچ نخچیر از کمندِ او نجست
در قبائے خسروی درویش زی　　دیدہ بیدار و خدا اندیش زی
قایدِ ملت شہنشاہِ مراد　　تیغِ او را برق و تندر خانہ زاد

[1] جندل - پتھر

لالۂ طور

ہم فقیرے ہم شہِ گردوں فرے
اردشیرے با روانِ بوذرے

غرق بودش در زرہ بالا و دوش
درمیانِ سینہ دل موئینہ پوش

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند

در امارت فقر را افزودہ اند
مثلِ سلمانؓ در مدائن بودہ اند

حکمرانے بود و سامانے نداشت
دستِ او جز تیغ و قرآنے نداشت

ہر کہ عشقِ مصطفیٰ سامانِ اوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اوست

سوزِ صدیقؓ و علیؓ از حق طلب
ذرۂ عشقِ نبیؐ از حق طلب

زانکہ ملت را حیات از عشقِ اوست
برگ و سازِ کائنات از عشقِ اوست

جلوۂ بے پردۂ او وانمود
جوہرِ پنہاں کہ بود اندر وجود

روح را جز عشقِ او آرام نیست
عشقِ او روزیست کو را شام نیست

خیز و اندر گردش آور جامِ عشق
در قہستاں تازہ کن پیغامِ عشق

اقبال

(۲)

دل من زوشش از سوز درون است
جهان پیش چشم من از اشک خون است
زدم زندگی بر هر که بیگانه تر باد
کسی کو عشق را گوید جنون است

---

(۳)

بیا غافل بیا و فسرده دل به عشق
بیا غافل به غنچه چو گل شو دل به عشق
شعاع مهر او قلم شکاف است
بیای دیده ره بین و به عشق

(۴)

عطا بابا را بیا که سر نه عشق
تردوان را بیا زاران سر و جه عشق
بگه و اردو دل با خویشتن را
و یکین از سینش را جید عشق

---

(۵)

چه پیک لاله رنگ آمیزی عشق
جهان ما بلا رنگ آمیزی عشق
اگر این خاکدان را واشکافی
درویش بنگری خونریزی عشق

(۶)

نه هر کس از محبت مایه دار است
نه با هر کس محبت سازگار است
بروید لاله با داغ جگرتاب
دل لعل بدخشان بی شرار است

(۷)

درین گلشن پریشان مثل بوییم
نمی دانم چه می خواهیم و جوییم
برآید آرزو یا برنیاید
شهید سوز و ساز آرزوییم

(۸)

جهان مشت گل و دل حاصل اوست
همین یک قطره خون مشکل اوست
نگاه ما دوبین افتاد ورنه
جهان هر کسی اندر دل اوست

(۹)

سحر می گفت بلبل باغبان را
درین گل جز نهال غم نگیرد
به پیری می رسد خار بیابان
ولی گل چون جوان گردد بمیرد

(۱۰)

جهان ما که نابود است و بود است
زبان تو امر معنی را بسود است
سخن را از تو آئین و طرح و گریز
دل ما را بت است بدرود و دود است

~~~~~

(۱۱)

نوای عشق را ساز است آدم
گشاید راز و خود راز است آدم
جهان او آفرید این خوب‌تر ساخت
مگر با ایزد انباز است آدم

۹

(۱۲)

چمن از جنبش ساز و نی آغاز جوییم
همه را از حرم جانان راز جوییم
گره از روی حقیقت پرده و آسیم
جهان را یک و دیگر را باز جوییم

~~~~~

(۱۳)

دلا نارائی پروانه تا کی
بگیر آن شیوهٔ مردانه تا کی
یکی خود را به سوز خویشتن سوز
طواف آتش بیگانه تا کی

(۱۴)

تنی پیدا کن از مشت غباری
تنی محکم تر از سنگین حصاری
درون او دل درد آشنائی
چو جوئی در کنار کوهساری

(۱۵)

ز آب و گل خدا خوش پیکری ساخت
جهانی از ارم زیباتری ساخت
ولی ساقی به آن آتش که دارد
ز خاک من جهان دیگری ساخت

(۱۶)

به یزدان روز محشر برهمن گفت
فروغ زندگی تاب شرر بود
ولیکن گر نرنجی با تو گویم
صنم از آدمی پاینده تر بود

(۱۷)

گذشتی تیزگام ای اختر صبح
مگر از خواب ما بیزار رفتی
من از ناآگهی گم کرده راهم
تو بیدار آمدی بیدار رفتی

(۱۸)

شنیدم کرمک شب تاب می گفت
نه آن مورم که کس نالد ز نیشم
توان بی منت بیگانگان سوخت
نپنداری که من پروانه کیشم
اگر شب تیره تر از چشم آهوست
خود افروزم چراغ راهِ خویشم

(۱۹)

ترا ای تازه پرواز آفریدند
سراپا لذت بال آزمائی
هوس ما را گران پرواز دارد
تو از ذوق پریدن پیش آئی

(۲۰)

چه لذت یارب اندر هست و بود است
دلِ هر ذره در جوشِ نمود است
شگافد شاخ را چون غنچهٔ گل
تبسم ریز از ذوقِ وجود است

(۲۱)

شنیدم در عدم پروانه می گفت
دمی از زندگی تاب و تبم بخش
پریشان کن سحر خاکسترم را
ولیکن سوز و سازِ یک شبم بخش

(۳۲)

مسلمانان مرا حرفے است در دل
که روشن تر ز جان جبرئیل است
نهانش دارم از آزر نهادان
که این سرّے ز اسرار خلیل است

---

(۳۳)

بجوشی ره سپاری ای دل ای دل
مرا تنها گذاری ای دل ای دل
دمادم آرزوها آفرینی
مگر کارے نداری ای دل ای دل

(۳۴)

بگردون فکر تو دارد رسائی
ولے از خویشتن نا آشنائی
یکے بر خود بپیچ چون دانه پیچ
که از زیر زمین نخلے بر آئی

---

(۳۵)

سحر در شاخسار بوستانے
چه خوش مے گفت مرغ نغمه خوانے
بر آور هر چه اندر سینه داری
سرودے ناله‌ے آهے فغانے

(۳۶)

مرا یک نکته در سر بسته تسلیم کریم
اگر در پی حیات از من بگیری
بمیری گر به تن جانی نداری
و گر جانی به تن داری نمیری

(۳۷) شمع

بلبل افسانهٔ آن با چمن است
حدیث سوز او آزاد روش پیش است
من آن پروانه را پروانه دانم
که جانش شمع گرش پیش و شعله‌اش پیش است

(۳۸)

مرا از خویشتن بیگانه سازد
من آن آب طربناکی ندارم
ببازارم مجو دیگر متاعی
بجز سینه‌چاکی ندارم

(۳۹)

دیار شبنمی از سیر او بستانم
اگر جانت شهید جستجو نیست
نیابی آنچه هست اندر رگ گل
بهار من طلسم رنگ و بو نیست

(۳۰)

بہمن شیخ از روئے خویش برگفت

بگل زینہ و خدا نقش وجودم

[illegible] بتہا نیاز دارد

ہمی وا ز سر [illegible] می [illegible] نبودم

ولے از گلِ تراشیدم ثناش

بہائے عنصرِ خود را فزودم

(۳۱)

ز مرغانِ چمن نا آشنایم

بشاخِ آشیاں تنہا سرایم

اگر نازک دلی از من کران گیر

کہ خونم می تراود از نوایم

(۳۲)

جہان یارب [illegible] ہنگامہ دارد

ہمہ را مست یک پیمانہ کردی

ہمہ را با نگاہ [illegible] دادی

دل از دل جان ز جان بیگانہ کردی

(۳۳)

سکندر با خضر خوش نکتہ گفت

شریکِ سوز و سازِ بحر و بر شو

تو این جنگ از کنارِ عرصہ بینی

بمیر اندر نبرد و زندہ تر شو

(۳۴)

سر تیغا و را اے کلیل برهم خاک
کلیسا و بتستان و حرم خاک
ولیکن من ندانم کو برهم چیست
همه ز تراز که دل اندر خاک

بکلکه

(۳۵)

اگر در مشت خاک تو نهادند
دل صد پاره خونابه بارے
ز ابر نو بهاران گریه آموز
که از اشک تو روید لاله زارے

(۳۶)

دمادم نقشهاے تازه ریزد
بیک صورت قرار زندگی نیست
اگر امروز تو تصویر دوش است
بخاک تو شرار زندگی نیست

(۳۷)

... درون نغمه ام در جلوت آرد
قیامت افگنم در محفل خویش
چو می خواهم دمے خلوت بگیرم
جهان را گم کنم اندر دل خویش

(۳۸)

چه می‌پرسی میانِ سینه دل چیست

خرد چون سوز پیدا کرد دل شد

دل از ذوقِ تپش دل بود لیکن

چو یک دم از تپش افتاد گل شد

---

(۳۹)

خرد گفت او بچشم اندر نگنجد

نگاهِ شوق در امّید و بیم است

نمی‌گردد کهن افسانهٔ طور

که در هر دل تمنّای کلیم است

(۴۰)

کنشت و مسجد و بتخانه و دیر

جز این مشتِ گلی پیدا نکردی

بچشمِ غیر توان جز بدل راست

تو ای غافل دلی پیدا نکردی

---

(۴۱)

نسیمم در بیابانی سرا دل

ز بندِ این و آن آزاده رفتم

چو بادِ صبح گردیدم دمی چند

گلان را آب و رنگی داده رفتم

(۲۲)

بخود باز آورد رند کهن را
می ز ناکه من در جام سر کردم
من این می چون مغان دور پیشین
ز چشم مست ساقی وام کردم

---

(۲۳)

سفالم را می او جام جم کرد
درون قطره‌ام پوشیده یم کرد
خرد اندر سرم بتخانه‌ها ریخت
خلیل عشق دیرم را حرم کرد

(۲۴)

خرد زنجیری امروز و دوش است
پرستار بتان چشم و گوش است
صنم در آستین پوشیده دارد
برهمن زاده زنار پوش است

---

(۲۵)

خرد اندر سر هر کس نهادند
تمیز چون دیگران از خاک و خون است
ولی این راز کس جز من ندانند
ضمیر خاک و خون بیچون است

(۲۶)

گدای جلوه رفتی بر سر طور
که جان تو ز خود نامحرمی هست
قدم در جستجوی آدمی زن
خدا هم در تلاش آدمی هست

(۲۷)

بگو جبریل را از من پیامی
مرا آن پیکر نوری ندادند
ولی تاب و تب ما خاکیان بین
بنوری ذوق مهجوری ندادند

(۲۸)

بهای علم تا افرنت بدارست
یقین کم کن گرفتار شکی باش
عمل خواهی یقین را پخته‌تر کن
یکی جوی و یکی بین و یکی باش

(۲۹)

خرد بر چهره تو پرده‌ها بافت
نگاه تشنه دیدار دارم
در افتد هر زمان اندیشه با شوق
چه آشوب از جنگی در جان دارم

(۵۰)

دلت می لرزد از اندیشهٔ مرگ
ز بیمش زرد مانند زریری
بخود باز آ، خودی را پخته‌تر گیر
اگر گیری، پس از مردن نمیری

(۵۱)

ز پیوند تن و جانم چه پرسی
بدام چند و چون در می نیابم
دم آشفته‌ام در پیچ و تابم
چو از عودش نخیزم نوایم

(۵۲)

مرا فرمود پیر نکته‌دانی
هر امروز تو از فردا پیامی است
دل از خوبان بی پروا نگه‌دار
همیش جز باو دادن حرام است

(۵۳)

ز رازی معنی قرآن چه پرسی
ضمیر ما بآیاتش دلیل است
خرد آتش فروزد، دل بسوزد
همین تفسیر نمرود و خلیل است

(۵۴)

من از بود و نبود خود خموشم
اگر گویم که هستم خود پرستم
ولیکن این نوای ساده کیست؟
کسی در سینه می گوید که هستم

(۵۵)

زمن با شاعر رنگین بیان گوی
چه سود از سوز اگر چون لاله سوزی
نه خود را می گدازی زآتش خویش
نه شامی ز دردمندی بر فروزی

(۵۶)

ز خوب و زشت تو نا آشنایم
عیارش کرده ام سود و زیان را
درین محفل ز من تنهاتری نیست
به چشم دیگری بینم جهان را

(۵۷)

تو ای شیخ حرم شاید ندانی
جهان عشق را هم محشری هست
گناه و نامه و میزان ندارد
نه او را مسلمی نه کافری هست

(۵۸)

چو تاب از خود بگیرد قطرهٔ آب
میان صد گهر یکدانه گردد
به بزم همنوایان آنچنان زی
که گلشن بی تو خلوتخانه گردد

(۵۹)

من ای دانشوران در پیچ و تابم
خرد را فهم این معنی محال است
چسان در مشت خاکی تن زند دل
که دل وحشی غزال این خیال است

(۶۰)

میارا بزم بر ساحل که آنجا
نوای زندگانی نرم خیز است
به دریا غلط و با موجش درآویز
حیات جاودان اندر ستیز است

(۶۱)

سراپا معنی سربسته‌ام من
نگاه حرف بافان بر نتابم
نه محرومم توان گفتن نه محرم
که خاک زنده‌ام در انقلابم

(۶۲)

مگو از مدعای زندگانی
ترا بر شیوه‌های او نگه نیست
من از ذوق سفر آنگونه مستم
که منزل پیش من جز سنگ ره نیست

(۶۳)

اگر کردی نگه بر پارهٔ سنگ
ز فیض آرزوی تو گهر شد
بنرخ خود را مسنج ای بی‌خبر
که زر از گوشهٔ چشمی نظر شد

(۶۴)

وفا نا آشنا بیگانه خو بود
نگاهش بی‌نصیب از جستجو بود
چو دید او را پرید از سینهٔ من
ندانستم که دست آموز او بود

(۶۵)

مپرس از عشق و از نیرنگی عشق
بهر رنگی که خواهی سر برآرد
درون سینه بیش از قطرهٔ نیست
چو آید بر زبان پایان ندارد

(۶۶)

مشو ای غنچه نورسته دلگیر
ازین بستان سرا دیگر چه خواهی
لب جو بزم گل مرغ چمن سیر
صبا شبنم نوای صبحگاهی

(۶۷)

مرا روزی گل افسرده ای گفت
نمود ما چه پرواز شرار است
دلم بر محنت نقش آفرین سوخت
که نقش کلک او ناپایدار است

(۶۸)

جهان ما که پایانی ندارد
چو ماهی در یم ایام غرق است
یکی بر دل نظر وا کن که بینی
یم ایام در یک جام غرق است

(۶۹)

به باغان چمن همداستانم
زبان غنچه های بی زبانم
چو میرم با صبا خاکم بیامیز
که جز طوف گلان کاری ندانم

(۴۰)

نمایانی چه هستی این وادی گل

درون لاله آتش بجان چیست

بچشم ما چمن یکسر موج رنگ است

سر می داند بچشم بلبلان چیست

(۴۱)

تو خورشیدی و من سیارهٔ تو

سراپا نورم از نظارهٔ تو

ز آغوشت دورم ناتمامم

تو قرآنی و من سیپارهٔ تو

(۴۲)

بسال او درون بادیه خوشتر

غمش افسرده و جان کاهیده خوشتر

مرا صاحبدلی این نکته آموخت

ز منزل جادهٔ پیچیده خوشتر

(۴۳)

دماغش کافر زنار دار است

بتان را بنده و پروردگار است

دلم را این سر که نالد از غم عشق

ترا با دین و آئینم چکار است

(۷۵)

صنوبر بندهٔ آزادهٔ او
فروغ روی گل از بادهٔ او
به پیش آفتاب و ماه و انجم
دل آدم بهشت زادهٔ او

ز انجم تا به انجم صد جهان بود
خرد هر جا که پر زد آسمان بود
ولیکن چون به خود نگریستم من
کران بیکران در من نهان بود

(۷۶)

عقاب دوربین جوینده‌ای گفت
نگاهم آنچه می‌بیند سراب است
جوابش داد آن مرغ حق اندیش
تو می‌بینی و من دانم که آب است
صدائے ماہی آمد از تہِ بحر
کہ چیزے ہست و ہم در پیچ و تاب است

---

(۷۷)

دل من در طلسم خود اسیر است
جهان از پرتو او تاب گیر است
ببین از صبح و شامم ز آفتاب
که پیش روزگار من پیر است

(۷۸)

نوا در سر ز جان ای از جمیع تو
چسان در جانی و از جان برونی؟
چراغم با تو سوزم بی تو میرم
تو ای بی‌چون ز من بی من چگونی؟

---

(۷۹)

نفس آشفته موجی از یم اوست
نی ما نغمه ما از دم اوست
لب جوی به یاد چون سینه از یم
سر ما پیش ما از یم اوست

(۸۰)

ترا در دیده یکی در سینه پیچی
جهان رنگ و بو را آفریدی
دگر از عشق بیتابم چه دیدی
که خود این ها و هو را آفریدی

---

(۸۱)

گر او جوئی، چرا در پیچ و تابی؟
که او پیداست تو زیر نقابی
تلاش او کنی جز خود نبینی
تلاش خود کنی جز او نیابی

(۸۲)

تو ای کودک منش خود را ادب کن
مسلمان زاده‌ای ترک نسب کن
برنگ احمر و خون و رگ و پوست
عرب نازد اگر ترک عرب کن

(۸۳)

نه افغانیم و نی ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیز رنگ و بو بر ما حرام است
که ما پروردهٔ یک نوبهاریم

(۸۴)

نهان در سینهٔ ما عالمی هست
بخاک ما دلی در دل غمی هست
از آن صهبا که جان ما برافروخت
هنوز اندر سبوی ما نمی هست

(۸۵)

دل من ای دل من ای دل من
یم من کشتی من ساحل من
چو شبنم بر سر خاکم چکیدی؟
و یا چون غنچه رستی از گل من؟

(۸۶)

چه گویم نکتهٔ زشت و نکو چیست
زبان لرزد که معنی پیچدار است
برون از شاخ بینی خار و گل را
درون او نه گل پیدا نه خار است

---

(۸۷)

کسی کو درد پنهانی ندارد
تنی دارد ولی جانی ندارد
اگر جانی هوس داری طلب کن
تب و تابی که پایانی ندارد

(۸۸)

چه پرسی از کجایم چیستم من
بخود پیچیده‌ام تا زیستم من
درین دریا چو موج بیقرارم
اگر بر خود نه پیچم نیستم من

---

(۸۹)

بچندین جلوه در زیر نقابی
نگاه شوق ما را بی‌حجابی
دوی در خون ما چون مستی می
دلی بیگانه خوئی، دیریابی

(۹۰)

دل از منزل تهی کن پا به ره دار
نگه را پاک مثل مهر و مه دار
متاع عقل و دین با دیگران بخش
غم عشق ار بدست افتد نگه دار

(۹۱)

بیا ای عشق ای رمز دل ما
بیا ای کشت ما ای حاصل ما
کهن گشتند این خاکی نهادان
دگر آدم بنا کن از گل ما

(۹۲)

سخن در درد و غم آورده در دو غم ریخت
مرا این ناله‌ها [illegible]
سکندر از عیش بیش من [illegible]
نوای [illegible] از ملک جم

(۹۳)

[illegible] سواره‌ام
ندارد [illegible] یارم
مرا ای همنشین دولت همین بس
چو کاوم سینه را لعلی بر آرم

(۹۴)

کمال زندگی خواهی بیاموز
گشادن چشم و فرو بستن لب
فرو بردن جهان را چون دم آب
طلسم زیر و بالا در شکستن

(۹۵)

تو می گویی که آدم خاکزاد است
اسیر عالم کون و فساد است
ولی فطرت ز اعجازی که دارد
بنای بحر بر پشت حبابی نهاد است

(۹۶)

دل بیباک را ضرغام رنگ است
دل ترسنده را آهو پلنگ است
اگر بیمی نداری بحر صحراست
اگر ترسی به هر موجش نهنگ است

ضرغام - شیر

(۹۷)

ندانم باده ام یا ساغرم من
گهر در دامنم یا گوهرم من
چنان بینم چو بر دل دیده بستم
سر جانم دیگر است و دیگرم من

(۹۸)

تو گوئی طائر ما زیر دام است
پریدن از پر و بالش حرام است
ز تن تا جسته از شست مغنی جان
فغان خیز ما از نیام است

(۹۹)

چسان خسپد دل اندر گل ما؟
چسان زاید تمنا در دل ما؟
بچشم ما که می بیند؟ چه بیند؟
چسان سوزد چراغ منزل ما؟

(۱۰۰)

چو در جنت خرامیدم پس از مرگ
بچشمم این زمین و آسمان بود
شکیبا جان بجسمم اندر آویخت
جهان بود و آن که تصویر جهان بود

(۱۰۱)

جهان ما که جز انگاره نیست
اسیر انقلاب صبح و شام است
ز سوهان قضا هموار گردد
هنوز این پیکر گل ناتمام است

(۱۰۲)

چسان ای آفتاب آسمان گرد
باین دوری بچشم من در آئی؟
بخاکی واصل و از خاکدان دور
تو ای مژگان گسل آخر کجائی؟

~~~~~

(۱۰۳)

تراش از تیشهٔ خود جادهٔ خویش
براهِ دیگران رفتن عذاب است
گر از دستِ تو کارِ نادر آید
گناهی هم اگر باشد ثواب است

۵۵

(۱۰۴)

بمنزل رهرو دل در زن زد
بآب و آتش و گل در زن زد
نپنداری که درین آمید است
که این دریا بساحل در زن زد

~~~~~

(۱۰۵)

بیا باش بهر فطرت نظرباز
چرا در گوشهٔ خلوت گزینی
ترا حق داد چشم پاک بینی
که از نورش نگاهی آفرینی

(۱۰۶)

میان آب و گل خلوت گزیدیم
ز افلاطون و فارابی بریدیم
نکردم از کسی دریوزهٔ چشم
جهان را جز بچشم خود ندیدیم

(۱۰۷)

ز آغاز خودی کس را خبر نیست
خودی در حلقهٔ شام و سحر نیست
ز خضر این نکتهٔ نادر شنیدم
که بحر از موج خود دیرینه‌تر نیست

(۱۰۸)

دلا رمز حیات از غنچه دریاب
حقیقت در مجازش بی‌حجاب است
ز خاک تیره می‌روید ولیکن
نگاهش بر شعاع آفتاب است

(۱۰۹)

فروغ او به بزم باغ و راغ است
گل از صهبای او روشن ایاغ است
شب کس در جهان تاریک نگذاشت
که در هر دل ز داغ او چراغ است

(۱۱۰)

ز خاک ما گلستان غنچه رست
سر خواب از چشم او شبنم فرو شست
خودی از بیخودی آمد پدیدار
جهان دریافت آنچ از خویش می‌جست

(۱۱۱)

جهان از خود ندارد رستگاهی
بکوی آرزو می‌جست راهی
ز آغوش عدم دزدیده بگریخت
گرفت اندر دل آدم پناهی

(۱۱۲)

دل من رازدان جسم و جان است
نپنداری اجل بر من گران است
چه غم گر یک جهان گم شد ز چشمم
هنوز اندر ضمیرم صد جهان است

(۱۱۳)

گل رعنا چو من در مشکلی هست
گرفتار طلسم محفلی هست
زبان برگ او گویا نگردد
ولی در سینهٔ چاکش دلی هست

(۱۱۴)

مزاج لاله خود رو شناسم
بشاخ اندر گلان را بو شناسم
از آن دارد مرا مرغ چمن دوست
مقام نغمه‌های او شناسم

---

(۱۱۵)

جهان یک نغمه‌زار آرزوئی
بم و زیرش ز تار آرزوئی
بچشمم هرچه هست و بود و باشد
دمی از روزگار آرزوئی

(۱۱۶)

دل من بی قرار آرزوئی
درون سینهٔ من‌های و هوئی
سخن ای همنشین از من چه خواهی
که من با خویش دارم گفتگوئی

---

(۱۱۷)

دوام ما ز سوز ناتمام است
چو ماهی جز تپیدن بر ما حرام است
مجو ساحل که در آغوش ساحل
تپیدن یک دم و مرگ دوام است

(۱۱۸)

مرنج از برهمن ای واعظ شهر
گر از ما سجدهٔ پیش بتان خواست
خدای ما که خود صورتگری کرد
بتی را سجده از قدسیان خواست

(۱۱۹)

حکیمان گرچه صد پیکر شکستند
بتعمیر سومنات بود و هستند
چنان از فرشته و یزدان گریزند
هنوز آدم نقش نه بستند

(۱۲۰)

جهان‌ها روید از مشت گل من
بیا سنجیده گیر از حاصل من
غلط کردی ره منزل و دوست
دمی گم شو بصحرای دل من

(۱۲۱)

هزاران سال با فطرت نشستم
باو پیوستم و از خود گسستم
ولیکن سرگذشتم این دو حرف است
تراشیدم پرستیدم شکستم

(١٣٢)

بگو اے چارہ گر این شعلۂ پیچ چیست؟
کہ در خونم روان مانند آب است
نگہ در جستجو، جان ناشکیبا
خرد حیران و دل در پیچ و تاب است

(١٣٣)

درونم جلوۂ افکار این چیست؟!
بدان من همہ اسرار این چیست؟!
بفرما اے حکیم نکتہ پرداز
بدن آسودہ جان سیار این چیست؟!

(١٣٤)

بخود نازم گدائے بے نیازم
تپیم، سوزم، گدازم، نے نوازم
ترا از نغمہ در آتش نشاندم
سکندر فطرتم آئینہ سازم

(١٣٥)

اگر آگاہی از کیف و کم خویش
یکے تعمیر کن از شبنم خویش
دلا دریوزۂ مہتاب تا کے!
شب خود را برافروز از دم خویش

(١٢٦)

چه غم داری حیات دل ز دم نیست
که دل در حلقهٔ بود و عدم نیست
مخور ای کم نظر اندیشهٔ مرگ
اگر دم رفت دل باقی است غم نیست

(١٢٧)

تو ای دل تا نشینی در کنارم
ز شرح غصهٔ شبهای تو گیسم
درون سینه‌ام تا پیش از مرگ
من از دوست تو دارم امید و بیم

(١٢٨)

ز من گو صوفیان با صفا را
خدا جویان معنی آشنا را
غلام همت آن خود پرستم
که از نور خودی بیند خدا را

(١٢٩)

چو نرگس این چمن نادیده مگذر
چو بو در غنچه پیچیده مگذر
ترا حق دیدهٔ روشن تری داد
فرو بیدار و دل خوابیده مگذر

(۱۳۰)

تراشیدم صنم بر صورت خویش
به شکل خود خدا را نقش بستم
مرا از خود برون رفتن محال است
به هر رنگی که هستم خود پرستم

(۱۳۱)

به شبنم غنچهٔ نورسته می‌گفت
نگاه ما چمن‌زادان رسا نیست
در آن پهنا که صد خورشید دارد
تمیز پست و بالا هست یا نیست؟

(۱۳۲)

زمین را رازدان آسمان گیر
مکان را شرح رمز لامکان گیر
پرد هر ذره سوی منزل دوست
نشان آن راه از ریگ روان گیر

(۱۳۳)

ضمیر کن فکان غیر از تو کس نیست
نشان بی‌نشان غیر از تو کس نیست
قدم بیباک‌تر نه در ره زیست
به پهنای جهان غیر از تو کس نیست

(۱۳۴)

زمین خاک در میخانهٔ ما
فلک یک گردش پیمانهٔ ما
حدیث سوز و ساز ما دراز است
جهان یک باب از افسانهٔ ما

(۱۳۵)

سکندر رفت و شمشیر و علم رفت
خراج شهر و گنج کان و یم رفت
امم را از شهان پاینده‌تر دان
نمی‌بینی که ایران ماند و جم رفت؟

(۱۳۶)

ربودی دل ز چاک سینهٔ من
بغارت برده‌ای گنجینهٔ من
متاع آرزویم با که دادی؟
چه کردی با غم دیرینهٔ من؟

(۱۳۷)

ز پیش من جهان رنگ و بو رفت
زمین و آسمان و چارسو رفت
تو رفتی ای دل از هنگامهٔ او؟
و یا از خلوت آباد تو او رفت؟

(۱۳۸)

مرا از پردهٔ ساز آگهی نیست
ولی دانم نوای زندگی چیست
سرودم را چنان در شاخساران
گل از مرغ چمن پرسید که این کیست

~~~

(۱۳۹)

نوا مستانه در محفل زدم من
شرار زندگی بر گل زدم من
دل از نور خرد کردم ضیاگیر
خرد را بر عیار دل زدم من

۶۳

(۱۴۰)

عجم از نغمه‌های من جوان شد
ز سودایم متاع او گران شد
هجومی بود ره گم کرده در دشت
ز آواز درایم کاروان شد

~~~

(۱۴۱)

عجم از نغمه‌ام آتش بجان است
صدای من درای کاروان است
حُدی را تیزتر خوانم چو عرفی؎
که ره خوابیده و محمل گران است

؎ نوا را تلخ‌تر می‌زن چو ذوقِ نغمه کم یابی
حُدی را تیزتر میخوان چو محمل را گران بینی (عُرفی)

(۱۴۲)

ز جانِ بیقرار آتشی برفشاندم
دلی در سینهٔ مشرق نهادم
گلِ او شعله زار از نالهٔ من
چو برق اندر نهادِ او فتادم

(۱۴۳)

مرا مثلِ نسیم آواره کردند
دلم مانندِ گل صدپاره کردند
نگاهم را که پیدا هم نه بیند
شهیدِ لذتِ نظاره کردند

(۱۴۴)

رگِ مسلم ز سوزِ من تپید است
بچشمش اشکِ بیتابم چکید است
هنوز از محشرِ جانم نداند
جهان را از نگاهِ من پدید است

(۱۴۵)

ز تابِ آرزو پرورده‌ام من
بهار از زندگی پی برده‌ام من
بپرس از باغبانان این نو گل ناز
سرِ غنچه‌یم بهار آورده‌ام من

(۱۲۶)

خیالم کو گل از فردوس چیند
چه مضمون غریبی آفریند
دلم در سینه می‌لرزد چو برگی
که بر وی قطرهٔ شبنم نشیند

(۱۲۷)

عجم بحریست ناپیدا کناری
که در وی گوهر الماس رنگ است
ولیکن من نه رانم کشتی خویش
بدریائی که موجش بی نهنگ است

(۱۲۸)

مگو کار جهان نااستوار است
هر آن یا ابد را پرده‌دار است
بگیر امروز را محکم که فردا
هنوز اندر ضمیر روزگار است

(۱۲۹)

رمیدی از خداوندان افرنگ
ولی بر دو گنبد عجب باشی
به لالائی چنان عادت گرفتی
ز سنگ راه مولائی تراشی

(۱۵۰)

قبائے زندگانی چاک تا کے
چو موران آشیان در خاک تا کے
بپرواز آ و شاہینی بیاموز
تلاش دانہ در خاشاک تا کے

(۱۵۱)

میانِ لالہ و گُل آشیاں گیر
ز مرغِ نغمہ خوان درسِ فغاں گیر
اگر از ناتوانی شہپرت ریخت
نصیب از شاہبازان جہاں گیر

(۱۵۲)

بجانِ من کہ جاں نقشِ تن انگیخت
ہوائے جلوہ این گُل را دو رو[۱] کرد
ہزاران شیوہ دارد جانِ بیتاب
بدن گردد چو با یک شیوہ خو کرد

(۱۵۳)

بکش شبنم از خاکِ مزارے
کہ در زیرِ پیچ ہمی تواں زیست
نفس دارد و لیکن کار با رو
سمبر او دو پیکراں زیست

[۱] گل دو رو۔ ایک قسم کا پھول جو اندر سے سرخ اور باہر سے زرد ہوتا ہے۔

افکار

(۱۵۴)

مرا ذوقِ سخن خون در جگر کرد
غبارِ راہ را مشتِ شرر کرد
بگفتارِ محبت لب کشودم
بیاں ایں راز را پوشیدہ تر کرد

(۱۵۵)

گریز آخر ز عقلِ ذوفنوں کرد
دلِ خود کام را از عشق خوں کرد
ز اقبالِ فلک پیما چہ پرسی
حکیمِ نکتہ دانِ ما جنوں کرد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

افکار

گُلِ نخستین

ہنوز ہم نفسے در چمن نمی بینم
بہار می رسد و من گلِ نخستینم

بہ آبجو نگرم خویش را نظارہ کنم
باین بہانہ مگر روئے دیگرے بینم

بخامۂ کہ خطِ زندگی رقم زدہ است
نوشتہ اند پیامے بہ برگِ رنگینم

دلم بہ دوش و نگاہم بہ عبرتِ امروز
شہیدِ جلوۂ فردائے تازہ آئینم

ز تیرہ خاک دمیدم قبائے گل بستم
وگرنہ اخترِ واماندۂ ز پروینم

دعا

ای که از خمخانهٔ فطرت بجامم ریختی — زآتشِ صهبای من بگداز مینای مرا
عشق را سرمایه ساز از گرمیِ فریادِ من — شعلهٔ بیباک گردان خاکِ سینای مرا

چون بمیرم از غبارِ من چراغِ لاله ساز
تازه کن داغِ مرا، سوزان بصحرای مرا

~~~~~~

هلالِ عید

نتوان ز چشمِ شوق رمید ای هلالِ عید — از صد نگه براهِ تو دامی نهاده اند
بر خود نظر کشا ز تهی دامنی مرنج — در سینهٔ تو ماهِ تمامی نهاده اند

~~~~~~

تسخیرِ فطرت

(۱) میلادِ آدم

نعره زد عشق که خونین جگری پیدا شد — حسن لرزید که صاحب نظری پیدا شد
خبری رفت ز گردون به شبستانِ ازل — حذر ای پردگیان پرده دری پیدا شد
آرزو بیخبر از خویش بآغوشِ حیات — چشم وا کرد و جهانِ دگری پیدا شد
فطرت آشفت که از خاکِ جهانِ مجبور — خودگری، خودشکنی، خودنگری پیدا شد

زندگی گفت که در خاک تپیدم همه عمر
تا ازین گنبدِ دیرینه دری پیدا شد

(۲) انکارِ ابلیس

نوری نادان نیم، سجده بآدم برم! — او به نهاد است خاک، من به نژاد آذرم!
می تپد از سوزِ من، خونِ رگِ کائنات — من به دو صرصرم، من به غوِ تندرم

رابطۂ سالمات، ضابطۂ امہات — سوزم و سازم دہم، آتشِ مینا گرم

ساختۂ خویش را، در شکنم ریز ریز — تا ز غبارِ کہن، پیکرِ نو آورم

از زوِ من موجہ، چرخِ سکون ناپذیر (۱) — نقش گرِ روزگار، تاب و تبِ جوہرم

پیکرِ انجم ز تو، گردشِ انجم ز من — جاں بجہاں اندرم، زندگیِ مضمرم

تو بہ بدن جاں دہی، شور بجاں من دہم — تو بہ سکوں رہ زنی، من بہ تپش رہبرم

من ز تنک مایگاں گدیہ نکردم سجود — قاہرِ بے دوزخم، داورِ بے محشرم

آدمِ خاکی نہاد، دوں نظر و کم سواد
زاد در آغوشِ تو پیر شود در برم

(۳) اغوائے آدم

زندگیِ سوز و ساز، بہ ز سکونِ دوام — فاختہ شاہیں شود، از تپشِ زیرِ دام

ہیچ نیاید ز تو غیرِ سجودِ نیاز — خیز چو سروِ بلند، اے بعمل نرم گام

کوثر و تسنیم برد، از تو نشاطِ عمل — گیر ز مینائے تاک بادۂ آئینہ فام

(۱) زو - دریا

زشت و نکو زادۂ وہمِ خداوندِ تست — لذتِ کردار گیر، گام بنہ جوئے کام

خیز کہ بنمایمت مملکتِ تازۂ — چشمِ جہاں بیں کشا، بہرِ تماشا خرام

قطرۂ بے مایۂ، گوہرِ تابندہ شو — از سرِ گردوں بیفت، گیر بدریا مقام

تیغِ درخشندۂ، جانِ جہانے گسل — جوہرِ خود را نما، آئے برون از نیام

بازوئے شاہیں کشا، خونِ تدرواں بریز — مرگ بود باز را، زیستن اندر کنام

تو نہ شناسی ہنوز شوق بمیرد ز وصل
چیست حیاتِ دوام؟ سوختنِ ناتمام۔

(۴)۔ آدم از بہشت بیروں آمدہ میگوید

چہ خوش است زندگی را ہمہ سوز و ساز کردن
دلِ کوہ و دشت و صحرا بدمے گداز کردن
ز قفس درے کشادن بہ فضائے گلستانے
رہِ آسماں نوردن بہ ستارہ راز کردن

بگداز ہائے پنہاں، بہ نیاز ہائے پیدا
نظرے ادا شناسے بحریمِ ناز کردن
گہے جز بکی ندیدن بہ ہجومِ لالہ زارے
گہے خار ریش زن را ز گُل امتیاز کردن
ہمہ سوزِ ناتمامم، ہمہ دردِ آرزویم
بگماں دہم یقیں را کہ شہیدِ جستجویم

(۵)- صبحِ قیامت

(آدم در حضورِ باری)

اے کہ ز خورشیدِ تو کوکبِ جاں مستنیر (۱) — از دلم افروختی شمعِ جہانِ ضریر
ریخت ہُنر ہائے من بحر بیک نائے آب — تیشۂ من آورد از جگرِ خارہ شیر
زُہرہ گرفتارِ من، ماہ پرستارِ من — عقلِ کلاں کارِ من بہرِ جہاں داوگیر
من بہ زمیں در شدم، من بفلک بر شدم — بستۂ جادوئے من ذرہ و مہرِ منیر

(۱) ضریر = نابینا

گرچہ فسونش مرا برد ز راہِ صواب — از غلطم در گذر، عذرِ گناہم پذیر
رام نگردد جہاں تا نہ فسونش خوریم — جز بہ کمندِ نیاز ناز نہ گردد اسیر
تا شود از آہِ گرم ایں بتِ سنگیں گداز — بستنِ زنارِ او بود مرا ناگزیر

عقل بدام آورد فطرتِ چالاک را
اہرمنِ شعلہ زاد سجدہ کند خاک را

بوئے گل

حورے بکنجِ گلشنِ جنت تپید و گفت — مارا کسے ز آنسوئے گردوں خبر نداد
ناید بفہمِ من سحر و شام و روز و شب — عقلم ربود ایں کہ بگویند مُرد و زاد
گردید موجِ نکہتے و از شاخِ گل دمید — پا اینچنیں بعالمِ فردا و دی نہاد
وا کرد چشم و غنچہ شد و خندہ زد دمے — گل گشت و برگ برگ شد و بر زمیں فتاد

زندانئے کہ بند ز پائش کشادہ اند
آہے گذاشت است کہ بو نام دادہ اند

نوائے وقت

خورشید بہ دامانم، انجم بہ گریبانم — در من نگری ہیچم، در خود نگری جانم
در شہر و بیابانم، در کاخ و شبستانم — من دردم و درمانم، من عیشِ فراوانم
من تیغِ جہاں سوزم، من چشمۂ حیوانم

چنگیزی و تیموری، مشتے ز غبارِ من — ہنگامۂ افرنگی، یک جستہ شرارِ من
انسان و جہانِ او، از نقش و نگارِ من — خونِ جگرِ مرداں، سامانِ بہارِ من
من آتشِ سوزانم، من روضۂ رضوانم

آسودہ و سیارم، ایں طرفہ تماشا بیں — در بادۂ امروزم، کیفیتِ فردا بیں

پنہاں بہ ضمیرِ من، صد عالمِ رعنا بیں — صد کوکبِ غلطاں بیں، صد گنبدِ خضرا بیں
من کسوتِ انسانم، پیراہنِ یزدانم

تقدیر فسونِ من، تدبیر فسونِ تو — تو عاشقِ لیلائے، من دشتِ جنونِ تو
چوں روحِ رواں پاکم، از چند و چگونِ تو — تو رازِ درونِ من، من رازِ درونِ تو
از جانِ تو پیدایم، در جانِ تو پنہانم

من رہرو و تو منزل، من مزرع و تو حاصل — تو سازِ صد آہنگے، تو گرمیِ ایں محفل
آوارۂ آب و گل، دریاب مقامِ دل — گنجیدہ بہ جامے بیں ایں قلزمِ بے ساحل
از موجِ بلندِ تو سر بر زدہ طوفانم

فصلِ بہار

(۱)

خیز کہ در کوہ و دشت، خیمہ زد ابرِ بہار
مستِ ترنّمِ ہزار
طوطی و درّاج و سار
بر طرفِ جوئبار
کشتِ گُل و لالہ زار
چشمِ تماشا بیار
خیز کہ در کوہ و دشت، خیمہ زد ابرِ بہار

(۲)

خیز کہ در باغ و راغ، قافلۂ گُل رسید

بادِ بہاراں وزید
مرغ نوا آفرید
لالہ گریباں درید
حسنِ گُلِ تازہ چید
عشق غمِ نَو خرید
خیز کہ در باغ و راغ، قافلۂ گُل رسید

(۳)

بُلبُلکاں در صفیر، صُلصُلکاں در خروش
خونِ چمن گرم جوش
اے کہ نشینی خموش
در شکن آئینِ ہوش
بادۂ معنی بنوش

نغمہ سرا، گل بپوش

بلبلگاں در صفیر، صلصلگاں در خروش

(۴)

حجرہ نشینی گذار، گوشۂ صحرا گزیں

برلبِ جوئے نشیں

آبِ رواں را بہ بیں

نرگسِ ناز آفریں

لختِ دلِ فرودیں

بوسہ زنش بر جبیں

حجرہ نشینی گذار، گوشۂ صحرا گزیں

(۵)

دیدۂ معنی کشا، اے ز عیاں بےخبر

لالہ کمر در کمر

نیمۂ آتش بہ بر

می چکدش بر جگر

شبنمِ اشکِ سحر

در شفق انجم نگر

دیدۂ معنی کُشا، اے ز عیاں بےخبر

(۶)

خاکِ چمن وانمود، رازِ دلِ کائنات

بود و نبودِ صفات

جلوہ گریہائے ذات

آنچہ تو دانی حیات

آنچہ تو خوانی ممات

ہیچ ندارد ثبات

خاکِ چمن وانمود، رازِ دلِ کائنات

حیاتِ جاوید

گماں مبر کہ بپایاں رسید کارِ مغاں — ہزار بادۂ ناخوردہ در رگِ تاک است

چمن خوش است ولیکن چو غنچہ نتواں زیست — قبائے زندگیش از دمِ صبا چاک است

اگر ز رمزِ حیات آگہی مجوئے و مگیر — دلے کہ از خلشِ خارِ آرزو پاک است

بخود خزیدہ و محکم چو کوہساراں زی

چو خس مزی کہ ہوا تیز و شعلہ بیباک است

افکارِ انجم

(۱)

شنیدم کوکبے با کوکبے گفت — کہ در بحریم و پیدا ساحلے نیست

سفر اندر سرشتِ ما نہادند — ولے ایں کارواں را منزلے نیست

(۲)

اگر انجم ہمانستے کہ بود است — ازیں دیرینہ تابیہا چہ سود است

گرفتارِ کمندِ روزگاریم — خوشا آنکس کہ محرومِ وجود است

(۳)

کس ایں بارِ گراں را بر نتابد — ز بودِ ما نبودِ جاوداں بہ

فضائے نیلگونم خوش نیاید — ز اوجش پستیِ آں خاکداں بہ

(۴)

خنک انساں که جانش بیقرار است — سوارِ راهوارِ روزگار است
قبائے زندگی بر قامتش راست — که او نو آفرین و تازه کار است

زندگی

شبے زار نالید ابرِ بهار — که ایں زندگی گریۂ پیهم است
درخشید برقِ سبک سیر و گفت — خطا کردهٔ، خندۂ یکدم است
ندانم به گلشن که برد ایں خبر
سخنها میانِ گل و شبنم است

محاوره علم و عشق

علم

نگاهم رازدارِ هفت و چار است — گرفتارِ کمندم روزگار است
جهاں بینم بایں سو باز کردند (۱) — مرا با آں سوئے گردوں چه کار است
چکد صد نغمه از سازے که دارم
ببازار افگنم رازے که دارم

عشق

ز افسونِ تو دریا شعله زار است — هوا آتش گداز و زهردار است
چو با من یار بودی، نور بودی — بریدی از من و نورِ تو نار است
بخلوت خانۂ لاهوت زادی
و لیکن در نخِ شیطاں فتادی (۲)

(۱) جهاں بیں: چشم - (۲) نخ: - ریسمان

بیا این خاکداں را گلستاں ساز جہانِ پیر را دیگر جواں ساز
بیا یک ذرّہ از دردِ دلم گیر تہِ گردوں بہشتِ جاوداں ساز

ز روزِ آفرینش ہمدم استیم
ہماں یک نغمہ را زیر و بم استیم

شبنم

گفتند فرود آئے ز اوجِ مہ و پرویز
بر خود زن و با بحرِ پر آشوب بیامیز
با موج در آویز
نقشِ دگر انگیز
تابندہ گہر خیز

من عیشِ ہم آغوشیِ دریا نہ خریدم
آں بادہ کہ از خویش رباید نچشیدم
از خود نہ رمیدم
ز آفاق بریدم
بر لالہ چکیدم

لالہ

آں شعلہ ام کہ صبحِ ازل در کنارِ عشق پیش از نمودِ بلبل و پروانہ می تپید
افزوں ترم ز مہر و بہر ذرّہ تن زنم گردوں شرارِ خویش ز تابِ من آفرید
در سینۂ چمن چو نفس کردم آشیاں یک شاخِ نازک از تہِ خاکم چو نم کشید
سوزم نبود و گفت یکے در برم بایست لیکن دلِ ستم زدۂ من نیارمید

در تنگنائے شاخ بسے پیچ و تاب خورد   تا جوہرم بہ جلوہ گہِ رنگ و بو رسید

شبنم براہِ من گہرِ آبدار ریخت   خندید صبح و بادِ صبا گردِ من وزید

بلبل ز گُل شنید کہ سوزم ربودہ اند   نالید و گفت جامۂ ہستی گراں خرید

وا کردہ سینہ منّتِ خورشید می کشم

آیا بود کہ باز بر انگیزد آتشم

حکمت و شعر

بوعلی اندر غبارِ ناقہ گم   دستِ رومی پردۂ محمل گرفت

ایں فروتر رفت و تا گوہر رسید   آں بگردابے چو خس منزل گرفت

حق اگر سوزے ندارد حکمت است

شعر میگردد چو سوز از دل گرفت

محاورہ مابین خدا و انسان

خدا

جہاں را ز یک آب و گِل آفریدم   تو ایران و تاتار و زنگ آفریدی

من از خاک پولادِ ناب آفریدم   تو شمشیر و تیر و تفنگ آفریدی

تبر آفریدی نہالِ چمن را

قفس ساختی طائرِ نغمہ زن را

انسان

تو شب آفریدی چراغ آفریدم   سفال آفریدی ایاغ آفریدم

بیابان و کوہسار و راغ آفریدی   خیابان و گلزار و باغ آفریدم

من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم

من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم

ساقی نامہ

(در نشاط باغ کشمیر نوشتہ شد)

خوشا روزگارے، خوشا نوبہارے　　نجومِ پرن رُست از مرغزارے

زمیں از بہاراں چو بالِ تدروے　　ز فوارہ الماس بار آبشارے

نہ پیچد نگہ جز کہ در لالہ و گل　　نہ غلطد ہوا جز کہ بر سبزہ زارے

لبِ جو خود آرائیِ غنچہ دیدی؟　　چہ زیبا نگارے، چہ آئینہ دارے

چہ شیریں نوائے چہ دلکش صدائے　　کہ می آید از خلوتِ شاخسارے

بہ تن جاں، بہ جاں آرزو زندہ گردد　　ز آوائے سارے، ز بانگِ ہزارے

نواہائے مرغِ بلند آشیانے　　در آمیخت با نغمۂ جویبارے

تو گوئی کہ یزداں بہشتِ بریں را　　نہاد است در دامنِ کوہسارے

کہ تا رحمتش آدمی زادگاں را　　رہا سازد از محنتِ انتظارے

چہ خواہم دریں گلستاں گر نہ خواہم　　شرابے، کتابے، ربابے، نگارے

سرت گردم اے ساقیِ ماہ سیما　　بیار از نیاگانِ ما یادگارے

بہ ساغر فرو ریز آبے کہ جاں را　　فروزد چو نورے، بسوزد چو نارے

شقایق بروید ز خاکِ نژندم　　بہشتے فروچیں بمشتِ غبارے

نہ بینی کہ از کاشغر تا بہ کاشاں　　ہماں یک نوا بالد از ہر دیارے

ز چشمِ اُمم ریخت آں اشکِ نابے　　کہ تاثیرِ او گل دماند ز خارے

کشیری کہ با بندگی خو گرفتہ (۱)　　بُتے می تراشد ز سنگِ مزارے

ضمیرش تہی از خیالِ بلندے　　خودی ناشناسے ز خود شرمسارے

بریشم قبا خواجہ از محنتِ او　　نصیبِ تنش جامۂ تار تارے

نہ در دیدۂ او فروغِ نگاہے　　نہ در سینۂ او دلِ بیقرارے

ازاں مے فشاں قطرۂ بر کشیری
کہ خاکسترش آفریند شرارے

(۱) اہلِ خطہ کشمیر کو کشیر بھی کہتے ہیں۔

شاہین و ماہی

ماہی بچۂ شوخ بہ شاہین بچۂ گفت
ایں سلسلۂ موج کہ بینی ہمہ دریاست

دارائے نہنگانِ خروشندہ تر از میغ
در سینۂ او دیدہ و نادیدہ بلاہاست

با سیلِ گراں سنگ و زمیں گیر و سبک خیز
با گوہرِ تابندہ و با لولوئے لالاست

بیروں نتواں رفت ز سیلِ ہمہ گیرش
بالائے سرِ ماست، تہِ پاست، ہمہ جاست

ہر لحظہ جوان است و روان است و دوان است
از گردشِ ایام نہ افزوں شد و نے کاست

ماہی بچہ را سوزِ سخن چہرہ بر افروخت
شاہیں بچہ خندید و ز ساحل بہوا خاست

زد بانگ کہ شاہینم و کارم بہ زمیں چیست
صحراست کہ دریاست تہِ بال و پرِ ماست!

بگذر ز سرِ آب و بہ پہنائے ہوا ساز
ایں نکتہ نہ بیند مگر آں دیدہ کہ بیناست

اگر خواہی حیات اندر خطر زی

غزالے با غزالے دردِ دل گفت
ازیں پس در حرم گیرم کنامے

بصحرا صید بنداں در کمین اند
بکامِ آہواں صبحے نہ شامے

اماں از فتنۂ صیاد خواہم
دلے ز اندیشہ ہا آزاد خواہم

رفیقش گفت اے یارِ خردمند
اگر خواہی حیات اندر خطر زی

دما دم خویشتن را بر فساں زن
ز تیغِ پاک گوہر تیز تر زی

خطر تاب و تواں را امتحان است
عیارِ ممکناتِ جسم و جان است

دنیائے عمل

هست این میکده و دعوتِ عام است اینجا
قسمتِ باده باندازهٔ جام است اینجا

حرفِ آن راز که بیگانهٔ صوت است هنوز
از لبِ جام چکید است و کلام است اینجا

نشه از حال بگیرند و گذشتند ز قال
نکتهٔ فلسفه دُردِ تهٔ جام است اینجا

ما درین ره نفسِ دهر برانداخته ایم
آفتابِ سحر او لبِ بام است اینجا

اے که تو پاسِ غلط کردهٔ خود می داری
آنچه پیشِ تو سکون است خرام است اینجا

ما که اندر طلب از خانه برون تاخته ایم
علم را جان بدمیدیم و عمل ساخته ایم

زندگی

پرسیدم از بلند نگاهے حیات چیست
گفتا مئے که تلخ تر او نکوتر است

گفتم که کرمک است و ز گِل سر برون زند
گفتا که شعله زاد مثالِ سمندر است

گفتم که شر بفطرتِ خامش نهاده اند
گفتا که خیرِ او نشناسی همین شر است

گفتم که شوقِ سیر نبردش به منزلے
گفتا که منزلش به همین شوق مضمر است

گفتم که خاکی است و بخاکش همی دهند
گفتا چو دانه خاک شگافد گُلِ تر است

حکائت

شنیدم کہ در پارس مردِ گزیں ادا فہم، رمز آشنا، نکتہ بیں
بسے سختی از جانکنی دید و مُرد بر آشفت و جاں شکوہ لبریز بُرد
بنالش در آمد بہ یزدانِ پاک کہ دارم دلے از اجل چاک چاک
کمالے ندارد بایں یک فنی نداند فنِ تازۂ جانکنی
برد جان و ناپختہ در کارِ مرگ جہاں نَو شد و او ہماں کہنہ برگ
فرست ایں کہن ابلہ را در فرنگ کہ گیرد فنِ کشتنِ بے درنگ
فرنگ آفریند ہنرہا شگرف برانگیزد از قطرۂ بحرِ ژرف
کشد گردِ اندیشہ پرکارِ مرگ ہمہ حکمتِ او پرستارِ مرگ
رود چوں نہنگ آبدوزش بہ یم (۱) ز طیارۂ او ہوا خوردہ بم
نہ بینی کہ چشمِ جہاں بینِ ہور (۲) ہمی گردد از غازِ او روز کور (۳)

(۱) بم - طمانچہ ۞ (۲) ہور - سورج ۞ (۳) غاز - گیس ۞

تفنگش بکشتن چناں تیز دست کہ افرشتۂ مرگ را دم گسست
بہ طرزِ نوی برکشد جاں ز تن کہ خود را بخود زندہ داند بدن
خورد گر ادب پیکِ مرگ از فرنگ
بہ تاراجِ جانہا شود تیز چنگ

الملک للہ

طارق چو بر کنارۂ اُندلس سفینہ سوخت گفتند کارِ تو بہ نگاہِ خرد خطاست
دوریم از سوادِ وطن باز چوں رسیم؟ ترکِ سبب ز روئے شریعت کجا رواست
خندید و دستِ خویش بہ شمشیر برد و گفت
ہر ملک ملکِ ماست کہ ملکِ خدائے ماست

نامۂ عالمگیرؒ

بیکے از فرزندانش کہ دعائے مرگِ پدر میکرد

ندانی کہ یزدانِ دیرینہ بود — بسے دید و سنجید و بست و کشود
زما سینہ چاکانِ ایں تیرہ خاک — شنیداست صد نالۂ دردناک
بسے ہمچو شبیرؓ در خوں نشست — نہ یک نالہ از سینۂ او گسست
نہ از گریۂ پیرِ کنعاںؑ تپید — نہ از دردِ ایوبؑ آہے کشید

مپندار آں کہنہ نخچیر گیر
بدامِ دعائے تو گردد اسیر

بہشت

کجا ایں روزگارے شیشہ بازے! — بہشت ایں گنبدِ گرداں ندارد
ندیدہ دردِ زنداں یوسفِ او — زلیخایش دلِ نالاں ندارد
خلیلِ او حریفِ آتشے نیست — کلیمش یک شرر در جاں ندارد
بہ صرصر درنیفتد زورقِ او — خطر از لطمۂ طوفاں ندارد
یقیں را در کمیں تُوک و مگر نیست — وصال اندیشۂ ہجراں ندارد
کجا آں لذتِ عقلِ غلط سیر — اگر منزل رہِ پیچاں ندارد

مزی اندر جہانے کور ذوقے
کہ یزداں دارد و شیطاں ندارد

کشمیر

رخت به کاشمر گشا کوه و تل و دمن نگر
سبزه جهاں جهاں ببیں لاله چمن چمن نگر

بادِ بهار موج موج مرغِ بهار فوج فوج
صلصل و سار زوج زوج بر سرِ نارون نگر

تا نه فتد به زینتش چشمِ سپهرِ فتنه باز
بسته بچهرهٔ زمیں برقعِ نسترن نگر

لالهٔ خاک بر دمید موج بآبجو تپید
خاک شرر شرر ببیں آب شکن شکن نگر

زخمه به تارِ ساز زن باده به ساتگیں بریز
قافلهٔ بهار را انجمن انجمن نگر

دختر کے برہمنے لاله رخے سمن برے
چشم بروئے او کشا باز بخویشتن نگر

عشق

عقلے که جهاں سوزد، یک جلوهٔ بیباکش
از عشق بیاموزد، آئینِ جهانتابی

عشق است که در جانت هر کیفیت انگیزد
از تاب و تبِ رومی تا حیرتِ فارابی

ایں حرفِ نشاط آور می گویم و می رقصم
از عشق دل آساید، با ایں همه بیتابی

هر معنیٔ پیچیده در حرف نمی گنجد
یک لحظه بدل درشو، شاید که تو دریابی

بندگی

دوش در میکدهٔ ترسا بچهٔ باده فروش
گفت از من سخنے دار چو آویزه بگوش

مشربِ باده گسارانِ کهن این دو است
که تو از میکده خیزی همه مستی همه هوش

من نگویم که فرو بند لب از نکتهٔ شوق
ادب از دست مده باده باندازه بنوش

گردِ راهیم ولے ذوقِ طلب جوهرِ ماست
بندگی با همه جبروتِ خدائی مفروش

غلامی

آدم از بے بصری بندگیِ آدم کرد
گوهرے داشت ولے نذرِ قباد و جم کرد

یعنی از خوئے غلامی ز سگاں خوارتر است
من ندیدم که سگے پیشِ سگے سر خم کرد

چیستانِ شمشیر

آں سخت کوش چیست که گیرد ز سنگ آب
محتاجِ خضر مثلِ سکندر نمی شود

مثلِ نگاهِ دیدهٔ نمناک پاک رو
در جوئے آب و دامنِ او تر نمی شود

مضمونِ او به مصرعهٔ برجستهٔ تمام
منت پذیرِ مصرعِ دیگر نمی شود

جمهوریت

متاعِ معنیِ بیگانه از دوں فطرتاں جوئی؟
ز موراں شوخیِ طبعِ سلیمانے نمی آید

گریز از طرزِ جمهوری غلامِ پخته کارے شو
که از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید

بہ مبلّغِ اسلام در فرنگستان

زمانہ باز برافروخت آتشِ نمرود — کہ آشکار شود جوہرِ مسلمانی
بیا کہ پردہ ز داغِ جگر براندازیم — کہ آفتابِ جہانگیر شد ز عریانی
ہزار نکتہ ز وی پیشِ دلبرانِ فرنگ — گداختی صنماں را بہ علمِ بُرہانی
خبر ز شہرِ سُلیمیٰ بدہ حجازی را — شرارِ شوق فشاں در ضمیرِ تورانی
رہِ عراق و خراساں زن اے مقام شناس (۱) — بہ بزمِ اعجمیاں تازہ کن غزل خوانی
بسے گذشت کہ در انتظارِ زخمہ زیست — چہ نغمہ ہا کہ نہ خوں شد بہ سازِ افغانی

حدیثِ عشق بہ اہلِ ہوس چہ میگوئی
بچشمِ مور مکش سرمۂ سلیمانی!

(۱) عراق و خراسان و مقام اصطلاحاتِ موسیقی ہیں۔

لسان العصر اکبر مرحوم

دریغا کہ رخت از جہاں بست اکبر — حیاتش بحق بود روشن دلیلے
سرِ ذروۂ طورِ معنی کلیمے — بہ بتخانۂ دورِ حاضر خلیلے
گہے گریۂ او چو ابرِ بہارے — گہے خندۂ او چو تیغِ اصیلے
نوائے سحرگاہِ او کارواں را — اذانے درائے پیامِ رحیلے
ز دلہا ربایندہ لات و عُزّے — بجانہا کشایندۂ سلسبیلے

دماغش ادب خوردۂ عشق و مستی
دلش پرورش دادۂ جبرئیلے

غنی کشمیری

غنی آں سخنگوئے بلبل صفیر — نوا سنجِ کشمیرِ مینو نظیر
چو اندر سرا بود، در بستہ داشت — چو رفت از سرا تختہ را وا گذاشت
یکے گفتش اے شاعرِ دل رسے — عجب دارد از کارِ تو ہر کسے
بپاسخ چہ خوش گفت مردِ فقیر — فقیر و باقلیمِ معنی امیر
زِ من آنچہ دیدند یاراں رواست — دریں خانہ جز من متاعے کجاست
غنی تا نشیند بہ کاشانہ اش — متاعے گرانے ست در خانہ اش

چو آں محفل افروز در خانہ نیست
تہی تر ازیں ہیچ کاشانہ نیست

خطاب بہ مصطفیٰ کمال پاشا ایدہ اللہ

(جولائی سنہ ۱۹۲۲ء)

اُمّتے بود کہ ما از اثرِ حکمتِ او — واقف از سرِّ نہانخانۂ تقدیر شدیم
اصلِ ما یک شررِ باختہ رنگے بود ست — نظرے کرد کہ خورشیدِ جہانگیر شدیم
نکتۂ عشق فرو شست ز دل پیرِ حرم — در جہاں خوار باندازۂ تقصیر شدیم
بادِ صحراست کہ با فطرتِ ما در سازد — از نفسہائے صبا غنچۂ دلگیر شدیم
آہ آں غلغلہ کز گنبدِ افلاک گذشت — نالہ گردید چو پابندِ بم و زیر شدیم
اے بسا صید کہ بے دام بفتراک زدیم — در بغل تیر و کماں کشتۂ نخچیر شدیم

"ہر کجا راہ دہد اسپ براں تاز کہ ما
بارہا مات دریں عرصہ بتدبیر شدیم" (نظیری)

طیّارہ

سرِ شاخِ گل طائرے یک سحر — ہمی گفت با طائرانِ دگر
"نداوند بال آدمی زادہ را — زمیں گیر کردند ایں سادہ را"
بدو گفتم "اے مرغکِ یاوہ سنج — اگر حرفِ حق با تو گویم مرنج
ز طیارہ ما بال و پر ساختیم — سوئے آسماں رہگذر ساختیم
چہ طیارہ آں مرغِ گردوں سپر — پر او ز بالِ ملک تیز تر
بہ پرواز شاہیں بہ نیرو عقاب — بجنبش ز لاہور تا فاریاب
بگردوں خروشندہ و تندجوش — میانِ نشیمن چو ماہی خموش
خرد ز آب و گل جبرئیل آفرید — زمیں را بگردوں دلیل آفرید"
چو آں مرغِ زیرک کلامم شنید — مرا یک نظر آشنایانہ دید
پرش را بمنقار خارید و گفت — کہ من آنچہ گوئی ندارم شگفت

مگر اے بنگاہِ تو بر چون و چند — اسیرِ طلسمِ تو پست و بلند
تو کارِ زمیں را نکو ساختی؟
کہ با آسماں نیز پرداختی؟ (سعدیؒ)

عشق

آں حرفِ دلفروز کہ راز است و راز نیست
من فاش گویمت کہ شنید؟ از کجا شنید؟
دزدید ز آسمان و بہ گل گفت شبنمش
بلبل ز گل شنید و ز بلبل صبا شنید

تہذیب

انساں کہ رخ ز غازۂ تہذیب بر فروخت
خاکِ سیاہِ خویش چو آئینہ وانمود

پوشید پنجہ را تہِ دستانۂ حریر
افسونیِ قلم شد و تیغ از کمر کشود

ایں بوالہوس صنم کدۂ صلحِ عام ساخت
رقصید گردِ او بنوا ہائے چنگ و عود

دیدم چو جنگ پردۂ ناموسِ او درید
جز "یسفك الدماء" و "خصیم مبین" نبود

مئے باقی

(غزلیات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مئ باقی

بہار تا بہ گلستاں کشید بزمِ سرود
نوائے بلبلِ شوریدہ چشمِ غنچہ کشود

گماں مبر کہ سرشتند در ازل گلِ ما
کہ ما ہنوز خیالیم در ضمیرِ وجود

بہ علم غزہ مشو کارِ مے کشی دگر است
فقیہہِ شہر گریبان و آستیں آلود

بہار برگِ پراگندہ را بہم بربست
نگاہِ ماست کہ برلالہ رنگ و آب افزود

نظر بخویش فروبستہ رانشاں این است
دگر سخن نہ سراید ز غائب و موجود

شبے بہ میکدہ خوش گفت پیرِ زندہ دلے
بہر زمانہ خلیلؑ است و آتشِ نمرود

چہ نقشہا کہ نہ بستم بہ کارگاہِ حیات
چہ رفتنی کہ نہ رفت و چہ بودنی کہ نہ بود

بہ دیریاں سخنِ نرم گو کہ عشقِ غیور
بنائے بتکدہ افگند در دلِ محمودؒ!

حلقہ بستند سرِ تربتِ من نوحہ گراں
دلبراں، زہرہ وشاں، گلبدناں، سیم براں

در چمن قافلۂ لالہ و گل رخت گشود
از کجا آمدہ اند این ہمہ خونیں جگراں

اے کہ در مدرسہ جوئی ادب و دانش و ذوق
نخرد بادہ کس از کارگہِ شیشہ گراں

خرد افزود مرا درسِ حکیمانِ فرنگ
سینہ افروخت مرا صحبتِ صاحب نظراں

برکش آں نغمہ کہ سرمایۂ آب و گلِ تست
اے ز خود رفتہ تہی شو ز نوائے دگراں

کس ندانست کہ من نیز بہائے دارم
آں متاعم کہ شود دست زدِ بے بصراں

می تراشد فکرِ ما ہر دم خداوندے دگر
رَست از یک بند تا افتاد در بندے دگر

بر سرِ بام آ نقاب از چہرہ بیباکانہ کش
نیست در کوئے تو چوں من آرزومندے دگر

بسکہ غیرت می برم از دیدۂ بینائے خویش
از نگہ بافم بہ رخسارِ تو رو بندے دگر (۱)

یک نگہ، یک خندۂ دزدیدہ، یک تابندہ اشک
بہرِ پیمانِ محبت نیست سوگندے دگر

عشق را نازم کہ از بیتابیِ روزِ فراق
جانِ ما را بست با دردِ تو پیوندے دگر

تا شوی بیباک تر در نالہ اے مرغِ بہار
آتشے گیر از حریمِ سینہ ام چندے دگر

(۱) رو بند - نقاب

چنگِ تیموری شکست آہنگِ تیموری بجاست
سر بروں می آرد از سازِ سمرقندے دگر

رہ مدہ در کعبہ اے پیرِ حرم اقبال را
ہر زماں در آستیں دارد خداوندے دگر

مرا ز دیدۂ بینا شکایتِ دگر است
کہ چوں بجلوہ درآئی حجابِ من نظر است

بہ نوریاں ز منِ پا بہ گِل پیامے گوے
حذر ز مشتِ غبارے کہ خویشتن نگر است

نواز نیم و بہ بزمِ بہار می سوزیم
شرر بہ مشتِ پرِ ما ز نالۂ سحر است

مثالِ لالہ فتادم بگوشۂ چمنے
مرا ز تیرِ نگاہے نشانہ بر جگر است

بہ کیشِ زندہ دلاں زندگی جفا طلبی است
سفر بکعبہ نکردم کہ راہ بے خطر است

ہزار انجمن آراستند و برچیدند
دریں سراچہ کہ روشن ز شعلِ قمر است

ز خاکِ خویش بہ تعمیرِ آدمے برخیز
کہ فرصتِ تو بقدرِ تبسّمِ شرر است

اگر نہ بوالہوسی با تو نکتۂ گویم
کہ عشق پختہ تر از نالہ ہائے بے اثر است

نوائے من بہ عجم آتشِ کہن افروخت
عرب ز نغمۂ شوقم ہنوز بے خبر است

باین بہانہ دریں بزم محرمے جویم
غزل سرایم و پیغامِ آشنا گویم

بخلوتے کہ سخن می شود حجاب آنجا
حدیثِ دل بزبانِ نگاہ میگویم

پئے نظارۂ روئے تو می کنم پاکش
نگاہِ شوق بہ جوئے سرشک می شویم

چو غنچہ گرچہ بکارم گرہ زنند و لے
ز شوقِ جلوہ گہ آفتاب می رویم

چو موج سازِ وجودم ز سیلِ بے پرواست
گماں مبر کہ دریں بحر ساحلے جویم

میانۂ من و او ربطِ دیدہ و نظر است
کہ در نہایتِ دوری ہمیشہ با اویم

کشید نقشِ جہانے بہ پردۂ چشمم
زدستِ شعبدہ بازے اسیرِ جادویم
درونِ گنبدِ دربستہ اش نگنجیدم
من آسمانِ کہن را چو خارِ پہلویم

بہ آشیاں ننشینم ز لذّتِ پرواز
گہے بہ شاخِ گلم گاہ برلبِ جویم

خیز و نقاب برگشا، پردگیانِ ساز را
نغمۂ تازہ یاد دہ، مرغِ نوا طراز را
جادہ ز خونِ رہرواں تختۂ لالہ در بہار
ناز کہ راہ می زند قافلۂ نیاز را؟

دیدۂ خوابناکِ او گر بہ چمن کشودۂ
رخصتِ یک نظر بدہ، نرگسِ نیم باز را
"حرفِ نگفتۂ شما، برلبِ کودکاں رسید"
از منِ بے زباں بگو، خلوتیانِ راز را
سجدۂ تو برآورد، از دلِ کافراں خروش
اے کہ دراز تر کنی پیشِ کساں نماز را
گرچہ متاعِ عشق را، عقل بہائے کم نہد
من ندہم بہ تختِ جم، آہِ جگر گداز را

برہمنے بہ غزنوی گفت کرامتم نگر
تو کہ صنم شکستۂ، بندہ شدی ایاز را

بملازمانِ سلطاں خبرے دہم ز رازے
کہ جہاں تواں گرفتن بنوائے دلگدازے

بمتاعِ خود چہ نازی کہ بہ شہرِ دردمنداں
دلِ غزنوی نیرزد بہ تبسّمِ ایازے

ہمہ نازِ بے نیازی، ہمہ سازِ بے نوائی
دلِ شاہ لرزہ گیرد ز گدائے بے نیازے

ز مقامِ من چہ پرسی بہ طلسمِ دل اسیرم
نہ نشیبِ من نشیبے نہ فرازِ من فرازے

رہِ عاشقی رہا کن کہ باو تواں رسیدن
بدلِ نیازمندے بہ نگاہِ پاکبازے

بہ رہِ تو ناتمامم، ز تغافلِ تو خامم
من و جانِ نیم سوزے، تو و چشمِ نیم بازے

رہِ دیر تختۂ گل ز جبینِ سجدہ ریزم
کہ نیازِ من نگنجد بدو رکعتِ نمازے

ز ستیزِ آشنایاں چہ نیاز و ناز خیزد
دلکے بہانہ سوزے نگہے بہانہ سازے

بیا کہ ساقیِ گل چہرہ دست بر چنگ است
چمن ز بادِ بہاراں جوابِ ارژنگ است
حنا ز خونِ دلِ نوبہار می بندد
عروسِ لالہ چہ اندازہ تشنۂ رنگ است
نگاہ می رسد از نغمۂ دل افروزے
بمعنئے کہ برو جامۂ سخن تنگ است

بچشمِ عشق نگر تا سراغِ او گیری
جہاں بچشمِ خرد سیمیا و نیرنگ است

ز عشق درسِ عمل گیر و ہر چہ خواہی کن
کہ عشق جوہرِ ہوش است و جانِ فرہنگ است

بلند تر ز سپہر است منزلِ من و تو
براہِ قافلہ خورشید میلِ فرسنگ است

ز خود گذشتۂ اے قطرۂ محال اندیش
شدن بہ بحر و گہر بر نخاستن ننگ است

تو قدرِ خویش ندانی بہا ز تو گیرد
وگرنہ لعلِ درخشندہ پارۂ سنگ است

صورت نہ پرستم من، بتخانہ شکستم من
آں سیلِ سبک سیرم، ہر بند گسستم من

در بود و نبودِ من، اندیشہ گمانہا داشت
از عشق ہویدا شد، ایں نکتہ کہ ہستم من

در دیر نیازِ من، در کعبہ نمازِ من
زنار بدوشم من، تسبیح بدستم من

سرمایۂ دردِ تو، غارت نتواں کردن
اشکے کہ ز دل خیزد، در دیدہ شکستم من

فرزانہ بگفتارم، دیوانہ بہ کردارم
از بادۂ شوقِ تو ہشیارم و مستم من

هوائے فرودیں در گلستاں میخانہ می سازد
سبو از غنچہ می ریزد، ز گُل پیمانہ می سازد

محبت چوں تمام افتد، رقابت از میاں خیزد
بہ طوفِ شعلۂ پروانہ با پروانہ می سازد

بہ سازِ زندگی سوزے، بہ سوزِ زندگی سازے
چہ بیدردانہ می سوزد چہ بیتابانہ می سازد

تنش از سایۂ بالِ تدروے لرزہ می گیرد
چو شاہیں زادۂ اندر قفس با دانہ می سازد

بگو اقبال را اے باغباں رخت از چمن بندد
کہ ایں جادو نوا ما را ز گُل بیگانہ می سازد

از ما بگو سلامے آں ترکِ تند خو را
کآتش زد از نگاہے یک شہرِ آرزو را

ایں نکتہ را شناسد آں دل کہ دردمند است
من گرچہ توبہ گفتم نشکستہ ام سبو را

اے بلبل از وفایش صد بار با تو گفتم
تو در کنار گیری باز ایں رمیدہ بو را

رمزِ حیات جوئی؟ جز در تپش نیابی
در قلزم آرمیدن ننگ است آبجو را

شادم کہ عاشقاں را سوزِ دوام دادی
درماں نیافریدی آزارِ جستجو را

گفتی مجو وصالم بالاتر از خیالم
عذرِ نو آفریدی اشکِ بہانہ جو را

از نالہ بر گلستاں آشوبِ محشر آور
تا دم بہ سینہ پیچد مگذار ہائے و ہو را

آشنا ہر خار را از قصۂ ما ساختی
در بیابانِ جنوں بردی و رسوا ساختی

جرمِ ما از دانۂ تقصیرِ او از سجدۂ
نے بآں بیچارہ می سازی نہ با ما ساختی

صد جہاں می روید از کشتِ خیالِ ما چو گل
یک جہان و آں ہم از خونِ تمنا ساختی

پرتوِ حسنِ تو می افتد بروں مانندِ رنگ
صورتِ مے پردہ از دیوارِ مینا ساختی

طرحِ نو افگن کہ ما جدت پسند افتادہ ایم
ایں چہ حیرت خانۂ امروز و فردا ساختی

خوش آنکہ رختِ خرد را بہ شعلۂ مے سوخت
مثالِ لالہ متاعے ز آتشے اندوخت

تو ہم ز ساغرِ مے چہرہ را گلستاں کن
بہار، خرقہ فروشی بہ صوفیاں آموخت

دلم تپید ز محرومیِ فقیہِ حرم
کہ پیرِ میکدہ جامے بتوئے نفروخت

مسنج قدرِ سرود از نوائے بے اثرم
ز برقِ نغمہ تواں حاصلِ سکندر سوخت

صبا بہ گلشنِ ویمر[1] سلامِ ما برساں
کہ چشمِ نکتہ وراں خاکِ آں دیار افروخت

بیار بادہ کہ گردوں بکامِ ما گردید
مثالِ غنچہ نواہا ز شاخسار دمید
خورم بیادِ تنک نوشیٔ امامِ حرم
کہ جز بہ صحبتِ یارانِ رازداں نچشید
فزوں قبیلۂ آں پختہ کار باد کہ گفت
چراغِ راہِ حیات است جلوۂ امید
نواز حوصلۂ دوستاں بلند تر است
غزل سرا شدم آنجا کہ ہیچکس نشنید

[1] جرمنی میں ایک شہر ہے جہاں گوئٹے نے اپنی زندگی کا بہت سا حصہ بسر کیا اور بعد انتقال وہیں دفن ہوا

عیارِ معرفتِ مشتری است جنسِ سخن
خوشم ازانکہ متاعِ مرا کسے نخرید
ز شعرِ دلکشِ اقبال می تواں دریافت
کہ درسِ فلسفہ میداد و عاشقی ورزید

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست
با من میا کہ مسلکِ شبیرم آرزوست
از بہرِ آشیانہ خس اندوزیم نگر
باز ایں نگر کہ شعلۂ درگیرم آرزوست
گفتند لب بہ بند و ز اسرارِ ما مگو
گفتم کہ خیر! نعرۂ تکبیرم آرزوست

گفتند هر چه در دلت آید ز ما بخواه
گفتم کہ بے حجابیِ تقدیرم آرزوست

از روزگارِ خویش ندانم جز ایں قدر
خوابم ز یاد رفته و تعبیرم آرزوست

کو آں نگاهِ ناز کہ اوّل دلم ربود
عمرت دراز باد ہماں تیرم آرزوست

دانهٔ سبحہ بہ زنّار کشیدن آموز
گر نگاهِ تو دو بین است ندیدن آموز

پا ز خلوت کدهٔ غنچہ بروں زن چو شمیم
با نسیمِ سحر آمیزش و وزیدن آموز

آفریدند اگر شبنمِ بے مایہ ترا
خیز و بر داغِ دلِ لالہ چکیدن آموز

اگرت خارِ گلِ تازہ رسے ساختہ اند
پاسِ ناموسِ چمن دار و خلیدن آموز

باغباں گر ز خیابانِ تو بر کند ترا
صفتِ سبزه دگر بارہ دمیدن آموز

تا تو سوزندہ تر و تلخ تر آئی بیروں
عزلتِ خم کدهٔ گیر و رسیدن آموز

تا کجا در تہِ بالِ دگراں می باشی
در ہوائے چمن آزادہ پریدن آموز

درِ بتخانہ زدم، مُغبچگانم گفتند
آتشے در حرم افروز و تپیدن آموز

زخاکِ خویش طلب آتشے کہ پیدا نیست
تجلّیِ دگرے در خورِ تقاضا نیست
اگرچہ عقلِ فسوں پیشہ لشکرے انگیخت
تو دل گرفتہ نہ باشی کہ عشق تنہا نیست
تو رہ[1] شناس نۂ، وز مقام بیخبری
چہ نغمہ ایست کہ در بربطِ سلیمیٰ نیست
نظر بخویش چناں بستہ ام کہ جلوۂ دوست
جہاں گرفت و مرا فرصتِ تماشا نیست
بیا کہ غلغلہ در شہرِ دلبراں فگنیم
جنونِ زندہ دلاں ہرزہ گردِ صحرا نیست
زقید و صیدِ نہنگاں حکائتے آور
مگو کہ زورقِ ما روشناسِ دریا نیست

[1] رہ و مقام موسیقی کی اصطلاحیں ہیں

مریدِ ہمتِ آں رہروم کہ پا نگذاشت
بہ جادۂ کہ درو کوہ و دشت و دریا نیست
شریکِ حلقۂ رندانِ بادہ پیما باش
حذر ز بیعتِ پیرے کہ مردِ غوغا نیست
برہنہ حرف نہ گفتن کمالِ گویائی است
حدیثِ خلوتیاں جز برمز و ایما نیست

موج را از سینۂ دریا گسستن می تواں
بحرِ بے پایاں بجوئے خویش بستن می تواں
از نوائے می تواں یک شہرِ دل در خوں نشاند
یک چمن گل از نسیمے سینہ خستن می تواں

می تواں جبریل را گنجشکِ دست آموز کرد
شہپرش با موئے آتش دیدہ بستن می تواں

اے سکندر! سلطنت نازک تر از جامِ جم است
یک جہاں آئینہ از سنگے شکستن می تواں

گر بجود محکم شوی سیلِ بلا انگیز چیست
مثلِ گوہر در دلِ دریا نشستن می تواں

من فقیرِ بے نیازم مشربم این است و بس
مومیائی خواستن نتواں، شکستن می تواں

صد نالۂ شبگیرے صد صبحِ بلا خیزے
صد آہِ شرر ریزے یک شعرِ دلآویزے

در عشق و ہوسناکی دانی کہ تفاوت چیست
آں تیشۂ فرہادے ایں حیلۂ پرویزے

با پردگیاں برگو کایں مشتِ غبارِ من
گردیست نظر بازے خاکیست نگہ خیزے

ہوشم برد اے مطرب مستم کند اے ساقی
گلبانگِ دل آویزے از مرغِ سحر خیزے

از خاکِ سمرقندے ترسم کہ دگر خیزد
آشوبِ ہلاکوئے ہنگامۂ چنگیزے

مطرب غزلے بیتے از مرشدِ روم آور
تا غوطہ زند جانم در آتشِ تبریزے

باز به سرمه تاب ده چشمِ کرشمه زاۓ را
ذوقِ جنوں دو چند کن شوقِ غزلسراۓ را
نقشِ دگر طراز ده آدمِ پخته تر بیار
لعبتِ خاک ساختن می نه سزد خداۓ را
قصهٔ دل نگفتنی است دردِ جگر نهفتنی است
خلوتیاں! کجا برم لذّتِ ہاۓ ہاۓ را
آهِ درونه تاب کو اشکِ جگر گداز کو
شیشه به سنگ می زنم عقلِ گره کشاۓ را
بزم به باغ و راغ کش زخمه به تارِ چنگ زن
باده بخور غزل سراۓ، بند کشاۓ قباۓ را
صبح دمید و کارواں کرد نماز و رخت بست
تو نشنیدهٔ مگر زمزمهٔ دراۓ را

نازِ شہاں نمی کشم زخمِ کرم نمی خورم
در نگر اے ہوس فریب ہمتِ ایں گداۓ را

فریبِ کشمکشِ عقل دیدنی دارد
که میرِ قافله و ذوقِ رہزنی دارد
نشانِ راه ز عقلِ ہزار حیله مپرس
بیا که عشق کمالے ز یک فنی دارد
فرنگ گرچه سخن با ستاره می گوید
حذر که شیوهٔ او رنگِ جوزنی دارد
ز مرگ و زیست چه پرسی دریں رباطِ کہن
که زیست کاہشِ جاں مرگ جانکنی دارد

سرِ مزارِ شہیداں یکے عناں درکش
کہ بے زبانیٔ ما حرفِ گفتنی دارد

دگر بدشتِ عرب خیمہ زن کہ بزمِ عجم
مئے گذشتہ و جامِ شکستنی دارد

نہ شیخِ شہر نہ شاعر نہ خرقہ پوش اقبال
فقیرِ راہ نشین است و دل غنی دارد

حسرتِ جلوۂ آں ماہِ تمامے دارم
دست بر سینہ نظر بر لبِ بامے دارم

حسن می گفت کہ شامے نہ پذیرد سحرم
عشق می گفت تب و تابِ دوامے دارم

نہ بامروز اسیرم نہ بہ فردا نہ بہ دوش
نہ نشیبے نہ فرازے نہ مقامے دارم

بادۂ رازم و پیمانہ گسارے جویم
در خراباتِ مغاں گردشِ جامے دارم

بے نیازانہ ز شوریدہ نوایم مگذر
مرغِ لاہوتم و از دوست پیامے دارم

پردہ برگیرم و در پردہ سخن میگویم
تیغِ خونریزم و خود را بہ نیامے دارم

بشاخِ زندگیِ ما نمے ز تشنہ لبی است
تلاشِ چشمۂ حیواں دلیلِ کم طلبی است

حدیثِ دل بکہ گویم چہ راہ برگیرم
کہ آہ بے اثر است و نگاہ بے ادبی است

غزل بزمزمہ خواں پردہ پست تر گرداں
ہنوز نالۂ مرغاں نوائے زیرِ لبی است

متاعِ قافلۂ ما حجازیاں بردند
ولے زباں نکشائی کہ یارِ ما عربی است

نہالِ ترک ز برقِ فرنگ بار آورد
ظہورِ مصطفوی را بہانہ بولہبی است

مسنج معنیٔ من در عیارِ ہند و عجم
کہ اصلِ ایں گہر از گریہ ہائے نیم شبی است

بیا کہ من ز خُمِ پیرِ رُوم آوردم
مے سخن کہ جواں تر ز بادۂ عنبی است

فرقے نہ نہد عاشق در کعبہ و بتخانہ
ایں جلوتِ جانانہ، آں خلوتِ جانانہ

شادم کہ مزارِ من در کوئے حرم بستند
راہے ز مژہ کاوم از کعبہ بہ بتخانہ

از بزمِ جہاں خوشتر از حور و جناں خوشتر
یک ہمدمِ فرزانہ وز بادہ دو پیمانہ

ہر کس نگہے دارد، ہر کس سخنے دارد
در بزمِ تو می خیزد افسانہ ز افسانہ

ایں کیست کہ بر دلہا آوردہ شبیخونے؟
صد شہرِ تمنّا را یغما زدہ تُرکانہ

در دشتِ جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بہ کمند آور اے ہمتِ مردانہ

اقبال بہ منبر زد رازے کہ نہ باید گفت
ناپختہ بروں آمد از خلوتِ میخانہ

بے تو از خوابِ عدم دیدہ کشودن نتواں
بے تو بودن نتواں با تو نبودن نتواں
در جہان است دلِ ما کہ جہاں در دلِ ماست
لب فرو بند کہ ایں عقدہ کشودن نتواں
دلِ یاراں ز نواہائے پریشانم سوخت
من ازاں نغمہ تپیدم کہ سرودن نتواں
اے صبا از تنک افشانیِ شبنم چہ شود
تب و تاب از جگرِ لالہ ربودن نتواں

دل بحق بند و کشادے ز سلاطیں مطلب
کہ جبیں بر درِ ایں میکدہ سودن نتواں

ایں گنبدِ مینائی، ایں پستی و بالائی
در شد بدلِ عاشق، با ایں ہمہ پہنائی
اسرارِ ازل جوئی؟ بر خود نظرے وا کن
یکتائی و بسیاری، پنہانی و پیدائی
اے جانِ گرفتارم دیدی کہ محبت چیست؟
در سینہ نیاسائی از دیدہ بروں آئی
برخیز کہ فروردیں افروخت چراغِ گل
برخیز و دمے بنشیں با لالۂ صحرائی

عشق است و ہزار افسوں حسن است و ہزار آئیں
نے من بہ شمار آیم نے تو بہ شمار آئی
صد رہ بہ فلک بر شد، صد رہ بہ زمیں در شد
خاقانی و فغفوری، جمشیدی و دارائی

ہم با خود و ہم با او، ہجراں کہ وصال است ایں؟
اے عقل چہ میگوئی، اے عشق چہ فرمائی

بہ یکے از صوفیہ نوشتہ شد

ہوسِ منزلِ لیلیٰ نہ تو داری و نہ من
جگرِ گرمیٔ صحرا نہ تو داری و نہ من
من جواں ساقی و تو پیرِ کہن میکدۂ
بزمِ ما تشنہ و صہبا نہ تو داری و نہ من

دل و دیں در گروِ زہرہ وشانِ عجمی!
آتشِ شوقِ سلیمیٰ نہ تو داری و نہ من
خزفے بود کہ از ساحلِ دریا چیدیم
دانۂ گوہرِ یکتا نہ تو داری و نہ من
دگر از یوسفِ گم گشتہ سخن نتواں گفت
تپشِ خونِ زلیخا نہ تو داری و نہ من

بہ کہ با نورِ چراغِ تہِ داماں سازیم
طاقتِ جلوۂ سینا نہ تو داری و نہ من

دلیلِ منزلِ شوقم بدامنم آویز
شرر ز آتشِ نابم بخاکِ خویش آمیز

عروسِ لالہ بروں آمد از سراچۂ ناز
بیا کہ جانِ تو سوزم ز حرفِ شوق انگیز
بہر زمانہ بہ اسلوبِ تازہ می گویند
حکایتِ غمِ فرہاد و عشرتِ پرویز
اگرچہ زادۂ ہندم فروغِ چشمِ من است
ز خاکِ پاکِ بخارا و کابل و تبریز

در جہانِ دلِ ما دورِ قمر پیدا نیست
انقلابیست ولے شام و سحر پیدا نیست
وائے آں قافلہ کز دونیِ ہمت میخواست
رہگذارے کہ درو ہیچ خطر پیدا نیست

بگذر از عقل و در آویز بموجِ یمِ عشق
کہ در آں جوئے تنک مایہ گہر پیدا نیست
آنچہ مقصودِ تگ و تازِ خیالِ من و تست
ہست در دیدہ و مانندِ نظر پیدا نیست

تب و تابِ بتکدۂ عجم نرسد بسوز و گدازِ من
کہ بیک نگاہ محمدِ عربی گرفت حجازِ من
چہ کنم کہ عقلِ بہانہ جو گرہے بروئے گرہ زند
نظرے! کہ گردشِ چشمِ تو شکند طلسمِ مجازِ من
نرسد فسوں گریِ خرد بہ تپیدنِ دلِ زندۂ
ز کنشتِ فلسفیاں در آ بحریمِ سوز و گدازِ من

گریۂ ما بے اثر نالۂ ما نارسا است
حاصلِ ایں سوز و ساز یک دلِ خونیں نوا است

در طلبش دل تپید دیر و حرم آفرید
ما بہ تمنّائے او، او بہ تماشائے ماست

پردگیاں بے حجاب، من بہ خودی در شدم
عشقِ غیورم نگر اہلِ تماشا گر است

مطربِ مے خانہ دوش نکتۂ دلکش سرود
بادہ چشیدن خطا است بادہ کشیدن رواست

زندگیِ رہرواں در تگ و تاز است و بس
قافلۂ موج را جادہ و منزل کجاست

شعلۂ در گیر زد بر خس و خاشاکِ من
مرشدِ رومی کہ گفت "منزلِ ما کبریاست"

نقشِ فرنگ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ فرنگ

پیام

از من اے بادِ صبا گوئے بدانائے فرنگ
عقل تا بال کشود است گرفتار تر است
برق را ایں بہ جگر می زند آں رام کند
عشق از عقلِ فسوں پیشہ جگردار تر است

چشم جز رنگِ گل و لالہ نہ بیند ورنہ
آنچہ در پردۂ رنگ است پدیدار تر است

عجب آن نیست کہ اعجازِ مسیحا داری
عجب این است کہ بیمارِ تو بیمار تر است

علم و حکمت اگرش خوئے سگی باز دہد
آدمی زادۂ دانا ز دواں خوار تر است

خواجہ را قیمتِ عیش است اگر مزدِ غلام
بندہ آزاد تر و خواجہ گرفتار است

زندگی و عمل

در جواب نظم ہائنا[1] موسوم بہ سوالات

ساحلِ افتادہ گفت — گرچہ بسے زیستم
ہیچ نہ معلوم شد — آہ کہ من چیستم
موجِ ز خود رفتۂ — تیز خرامید و گفت
ہستم اگر میروم — گر نروم نیستم!

جمعیت الاقوام

بر فتد تا روشِ رزم دریں بزمِ کہن — دردمندانِ جہاں طرحِ نو انداختہ اند
من ازیں بیش ندانم کہ کفن دزدے چند — بہر تقسیمِ قبور انجمنے ساختہ اند

(۱) گوئٹے کا ہموطن و ہمعصر شاعر تھا۔

شوپن ہار و نیٹشا

مرغے ز آشیانہ بسیرِ چمن پرید
خارے ز شاخِ گل بہ تنِ نازکش خلید
بد گفت فطرتِ چمنِ روزگار را
از دردِ خویش و ہم ز غمِ دیگراں تپید
داغے ز خونِ بیگنہے لالہ را شمرد
اندر طلسمِ غنچہ فریبِ بہار دید
گفت اندریں سرا کہ بنایش فتادہ کج
صبحے کجا کہ چرخ در و شامہا نہ چید
نالید تا بحوصلۂ آں نوا طراز
خوں گشت نغمہ و ز دو چشمش فرو چکید

سوزِ فغانِ او بدلِ ہدہدے گرفت
با نوکِ خویش خار ز اندامِ او کشید
گفتش کہ سودِ خویش ز جیبِ زیاں بر آر
گل از شگافِ سینہ زرِ ناب آفرید
درماں ز درد ساز اگر خستہ تن شوی
خوگر بہ خار شو کہ سراپا چمن شوی

فلسفہ و سیاست

فلسفی را با سیاست داں بیک میزاں مسنج
چشمِ آں خورشید کورے، دیدۂ ایں بے نمے
آں تراشد قولِ حق را حجتِ نا استوار
ویں تراشد قولِ باطل را دلیلِ محکمے

صحبتِ رفتگاں

(در عالمِ بالا)

ٹالسٹائے

بارکشِ اہرمن لشکریِ شہریار
از پئے نانِ جویں تیغِ ستم بر کشید

زشت بہ چشمش نکوست مغز نداند ز پوست
مردکِ بیگانہ دوست سینۂ خویشاں درید

داروئے بیہوشی است تاج کلیسا وطن
جانِ خدا داد را خواجہ بجامے خرید

کارل مارکس

راز دانِ جزو و کل از خویش نامحرم شداست
آدم از سرمایہ داری قاتلِ آدم شداست

ہیگل

جلوہ دہد باغ و راغ معنیِ مستور را
عینِ حقیقت نگر حنظل و انگور

فطرتِ اضداد خیز لذتِ پیکار داد
خواجہ و مزدور را آمر و مامور را

ٹالسٹائے

عقلِ دوروآفرید فلسفۂ خود پرست!
درسِ رضا می دہی بندۂ مزدور را؟

مزدک

دانۂ ایراں ز کشتِ زار و قیصر بر دمید
مرگِ نو می رقصد اندر قصرِ سلطان و امیر

مدتے در آتشِ نمرود می سوزد خلیل
تا تہی گردد حریمش از خداوندانِ پیر

دورِ پرویزی گذشت اے کشتۂ پرویز خیز
نعمتِ گم گشتۂ خود را ز خسرو باز گیر

کوہکن

نگارِ من کہ بسے سادہ و کم آمیز است
ستیزہ کیش و ستم کوش و فتنہ انگیز است

برونِ او ہمہ بزم و درونِ او ہمہ رزم
زبانِ او ز مسیح و دلش ز چنگیز است

گسست عقل و جنوں رنگ بست و دیدہ گداخت
درآں جلوہ کہ جانم ز شوق لبریز است
اگرچہ تیشۂ من کوہ را ز پا آورد
ہنوز گردشِ گردوں بکامِ پرویز است
ز خاک تا بہ فلک ہرچہ ہست رہ پیماست
قدم کشائے کہ رفتارِ کارواں تیز است

نیٹشا

از نستیٔ عناصرِ انساں دلش تپید
فکرِ حکیم پیکرِ محکم تر آفرید
افگند در فرنگ صد آشوبِ تازہ
دیوانۂ بکارگہِ شیشہ گر رسید

حکیم آئن سٹائن

جلوۂ می خواست مانندِ کلیمِ ناصبور
تا ضمیرِ مستنیرِ او کشود اسرارِ نور
از فرازِ آسماں تا چشمِ آدم یک نفس
زود پروازے کہ پروازش نیاید در شعور
خلوتِ او در زغالِ تیرہ فام اندر مغاک
جلوتش سوزد درختے را چو خس بالائے طور
بے تغیّر در طلسمِ چون و چند و بیش و کم
برتر از پست و بلند و دیر و زود و نزد و دور
در نہادش تار و شید و سوز و ساز و مرگ و زیست
اہرمن از سوزِ او و ز سازِ او جبریل و حور

من چہ گویم از مقامِ آں حکیمِ نکتہ سنج
کردہ زردشتے ز نسلِ[1] موسے و ہاروں ظہور

بائرن

مثالِ لالہ و گل شعلہ از زمیں روید
اگر بہ خاکِ گلستاں تراود از جانش
نبود در خورِ طبعش ہوائے سردِ فرنگ
تپید پیکِ محبت ز سوزِ پیغامش
خیالِ او چہ پریخانۂ بنا کرداست
شباب غش کند از جلوۂ لبِ بامش
گذاشت طائرِ معنی نشیمنِ خود را
کہ سازگار تر افتاد حلقۂ دامش

(۱) حکیم آئن سٹائن بنی اسرائیل سے ہے۔

نیٹشا[1]

گر نوا خواہی ز پیشِ او گریز — در نئے کلکش غریوِ تندر است
نیشتر اندر دلِ مغرب فشرد — دستش از خونِ چلیپا[2] احمر است
آنکہ بر طرحِ حرم بتخانہ ساخت — قلبِ او مومن دماغش[3] کافر است
خویش را در نارِ آں نمرود سوز
زانکہ بستانِ خلیلؑ از آذر[4] است

۱ مشہور و معروف جرمن فلسفی۔ ۲ نیٹشا نے نصرانیت پر ایسا زبردست حملہ کیا ہے کہ یہ مذہب اس حملہ سے بمشکل جانبر ہو سکے گا۔ نیٹشا کی تنقیدِ نصرانیت خالص اسلامی نکتۂ خیال سے ہے۔
۳ اس کا دماغ اس واسطے کافر ہے کہ وہ خدا کا منکر ہے گو بعض اخلاقی نتائج ہیں اس کے افکار مذہبِ اسلام کے بہت قریب ہیں۔ قلبِ او مومن دماغش کافر است۔ نبی کریمؐ نے اس قسم کا جملہ امیہ ابن الصّلت (عرب شاعر) کی نسبت کہا تھا۔ آمنَ لسانہٗ و کفر قلبہٗ۔
۴ آذر بمعنی آتش۔

جلال[1] و ہیگل[2]

می کشودم شبے بناخنِ فکر | عقدہ ہائے حکیمِ المانی
آنکہ اندیشہ اش برہنہ نمود | ابدی را ز کسوتِ آنی
پیشِ عرضِ خیالِ او گیتی | خجل آمد ز تنگ دامانی
چوں بدریائے او فرو رفتم | کشتیِ عقل گشت طوفانی
خواب بر من دمید افسونے | چشم بستم ز باقی و فانی
نگہِ شوق تیز تر گردید | چہرہ بنمود پیرِ یزدانی
آفتابے کہ از تجلیِ او | افقِ روم و شام نورانی
شعلہ اش در جہانِ تیرہ نہاد | بہ بیاباں چراغِ رہبانی
معنی از حرفِ او ہمی روید | صفتِ لالہ ہائے نعمانی
گفت با من، چہ خفتہ؟ برخیز | بہ سرابے سفینہ می رانی؟

[1] مولنا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ - [2] جرمن فلسفی ہیگل

بہ خرد راہِ عشق می پوئی؟
بہ چراغ آفتاب می جوئی؟

پٹوفی

شاعرِ جوانا مرگِ ہنگری کہ در معرکہ کارزار در حمایتِ وطن کشتہ شد و نعشِ او نیافتند تا یادگارِ خاکی ازو بماند

نفسے دریں گلستاں ز عروسِ گل نبردی | بدلے غمے فزودی ز دلے غمے ربودی
تو بخونِ خویش بستی کفِ لالہ را نگارے | تو بآہِ صبحگاہے دلِ غنچہ را کشودی
بنوائے خود گم استی سخنِ تو مرقدِ تو | بہ زمیں نہ باز رفتی کہ تو از زمیں نہ بودی

محاورہ مابین حکیم فرنسوی آگسٹس کومٹ و مردِ مزدور

حکیم

"بنی آدم اعضائے یکدیگراند
ہماں نخل را شاخ و برگ و براند

دماغ از خرد راست از فطرت است
اگر پا زمیں سا ست از فطرت است

یکے کارفرما یکے کارساز
نیاید ز محمود کارِ ایاز

نہ بینی کہ از قسمتِ کارِ زیست
سراپا چمن می شود خارِ زیست؟

مردِ مزدور

فریبی بحکمت مرا اے حکیم
کہ نتواں شکست ایں طلسمِ قدیم

مسِ خام را از زر اندودہ؟
مرا خوئے تسلیم فرمودہ؟

کند بحر را آبنائیم اسیر
زخارا بُرد تیشہ ام جوئے شیر

حقِ کوہکن دادی اے نکتہ سنج
بہ پرویز پر کار و نابردہ رنج؟

خطا را بحکمت مگرداں صواب
خضر را نگیری بدامِ سراب

بدوشِ زمیں، بار، سرمایہ دار
ندارد دگر شغل از خور و خواب کار

جہاں راست بہروزی از دستِ مزد
ندانی کہ ایں ہیچ کارہ است دزد

پئے جرمِ او پوزش آوردہ
بایں عقل و دانش فسوں خوردہ؟

ہیگل

حکمتش معقول و با محسوس در خلوت نرفت

گرچہ بکرِ فکرِ او پیرایہ پوشد چوں عروس

طائرِ عقلِ فلک پروازِ او دانی کہ چیست؟

"ماکیاں کز زورِ مستی خایہ گیرد بے خروس"

محاورہ مابین حکیم فرانسوی آگسٹس کومٹ و مردِ مزدور

حکیم

بنی آدم اعضائے یکدیگراند   ہماں نخل را شاخ و برگ و براند
دماغ از خرد راست از فطرت است   اگر پا زمیں سا ست از فطرت است
یکے کار فرما یکے کارساز   نیاید ز محمود کارِ ایاز
نہ بینی کہ از قسمتِ کار زیست
سراپا چمن می شود خارِ زیست؟

مردِ مزدور

فریبی بحکمت مرا اے حکیم   کہ نتواں شکست ایں طلسمِ قدیم
مسِ خام را از زر اندودہ؟   مرا خوئے تسلیم فرمودہ؟
کند بحر را آبنایم اسیر   زخارا بُرد تیشہ ام جوئے شیر

حقِ کوہکن دادی اے نکتہ سنج   بہ پرویز پرکار و نابردہ رنج؟
خطا را بحکمت مگرداں صواب   خضر را نگیری بدامِ سراب
بدوشِ زمیں، بار، سرمایہ دار   ندارد گذشت از خور و خواب کار
جہاں راست بہروزی از دستِ مزد   ندانی کہ ایں ہیچ کار است دزد
پئے جرمِ او پوزش آوردہ
بایں عقل و دانش فسوں خوردہ؟

ہیگل

حکمتش معقول و با محسوس در خلوت نرفت
گرچہ بکرِ فکرِ او پیرایہ پوشد چوں عروس
طائرِ عقلِ فلک پروازِ او دانی کہ چیست؟
"ماکیاں کز زورِ مستی خایہ گیرد بے خروس"

جلالؒ و گوئٹے

نکتہ دانِ المنی را در ارم — صحبتے افتاد با پیرِ عجم
شاعرے کو ہمچو آں عالی جناب — نیست پیغمبر ولے دارد کتاب
خواند بر دانائے اسرارِ قدیم — قصۂ پیمانِ ابلیس و حکیم
گفت رومیؒ اے سخن را جاں نگار — تو ملک صید استی و یزداں شکار
فکرِ تو در کنجِ دل خلوت گزید — ایں جہانِ کہنہ را باز آفرید
سوز و سازِ جاں بہ پیکر دیدۂ — در صدف تعمیرِ گوہر دیدۂ

۱؎ مولٰنا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ۔

۲؎ نکتہ دانِ المنی سے مراد گوئٹے ہے۔ جس کا ڈراما "فوسٹ" مشہور و معروف ہے۔ اس ڈرامے میں شاعر نے حکیم فوسٹ اور شیطان کے عہد و پیمان کی قدیم روایت کے پیرائے میں انسان کے امکانی نشو و نما کے تمام مدارج اس خوبی سے بتائے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کمالِ فن خیال میں نہیں آسکتا۔

ہر کسے از رمزِ عشق آگاہ نیست — ہر کسے شایانِ ایں درگاہ نیست

"داند آں کو نیکبخت و محرم است
زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است" (رومیؒ)

پیغامِ برگساں

تا بر تو آشکار شود رازِ زندگی
خود را جدا ز شعلہ مثالِ شرر مکن
بہرِ نظارہ جز نگہِ آشنا میار
در مرز و بومِ خود چو غریباں گذر مکن
نقشے کہ بستۂ ہمہ اوہامِ باطل است
عقلے بہم رساں کہ ادب خوردۂ دل است

میخانۂ فرنگ

یادِ ایامے کہ بودم در خمستانِ فرنگ
جامِ او روشن تر از جامِ جم و اسکندر است
چشمِ مستِ مے فروشش بادہ را پروردگار
بادہ خواراں را نگاہِ ساقی اش پیغمبر است
جلوۂ او بے کلیم و شعلۂ او بے خلیل
عقلِ ناپروا متاعِ عشق را غارتگر است
در ہوایش گرمیِ یک آہِ بیتابانہ نیست
رندِ ایں میخانہ را یک لغزشِ مستانہ نیست

موسیو لینن و قیصر ولیم

موسیو لینن

بسے گذشت کہ آدم دریں سرائے کہن
مثالِ دانہ تہِ سنگِ آسیا بودست
فریبِ زاری و افسونِ قیصری خوردست
اسیرِ حلقۂ دامِ کلیسیا بودست
غلامِ گرسنہ دیدی کہ بر درید آخر
قمیصِ خواجہ کہ رنگیں ز خونِ ما بودست
شرارِ آتشِ جمہور کہنہ ساماں سوخت
ردائے پیرِ کلیسا، قبائے سلطاں سوخت

قیصرِ ولیم

گناہِ عشوہ و نازِ بتاں چیست — طواف اندر سرشتِ برہمن ہست
دما دم نو خداونداں تراشد — کہ بیزار از خدایانِ کہن ہست
ز جورِ رہزناں کم گو کہ رہرو — متاعِ خویش را خود راہزن ہست
اگر تاجِ کئی جمہور پوشد — ہماں ہنگامہ ہا در انجمن ہست
ہوس اندر دلِ آدم نہ میرد — ہماں آتش میانِ مرزغن (۱) ہست
عروسِ اقتدارِ سحر فن را — ہماں پیچاکِ زلفِ پرشکن ہست

"نماند نازِ شیریں بے خریدار
اگر خسرو نباشد کوہکن ہست"

(۱) مرزغن - آتشدان

حکما

لاک

ساغرش را سحر از بادۂ خورشید افروخت
ورنہ در محفلِ گل لالہ تہی جام آورد

کانٹ

فطرتش ذوقِ مئے آئینہ فام آورد
از شبستانِ ازل کوکبِ جامے آورد

برگساں

نہ مئے از ازل آورد نہ جامے آورد
لالہ از داغِ جگر سوزِ دوامے آورد

شعرا

بروننگ

بے پشت بود بادۂ سرجوشِ زندگی — آب از خضر بگیرم و در ساغر افگنم

بائرن

از منّتِ خضر نتواں کرد سینہ داغ — آب از جگر بگیرم و در ساغر افگنم

غالب

"تا بادہ تلخ تر شود و سینہ ریش تر — بگدازم آبگینہ و در ساغر افگنم"

رومی

آمیزشے کجا گہرِ پاکِ او کجا
از تاک بادہ گیرم و در ساغر افگنم

خراباتِ فرنگ

دوش رفتم بہ تماشائے خراباتِ فرنگ
شوخ گفتاریِ رندے[1] دلم از دست ربود
گفت ایں نیست کلیسا کہ بیابی در وے
صحبتِ دخترکِ زہرہ وش و نائے و سرود
ایں خراباتِ فرنگ است و ز تاثیرِ میش
آنچہ مذموم شمارند نماید محمود
نیک و بد را بترازوئے دگر سنجیدیم
چشمہ داشت ترازوئے نصاریٰ و یہود
خوب زشت است اگر پنجۂ گیرات شکست
زشت خوب است اگر تاب و توانِ تو فزود

[1] رند سے مراد نیٹشا ہے۔

تو اگر در نگری جز بہ ریا نیست حیات
ہر کہ اندر گروِ صدق و صفا بود نبود
دعوئ صدق و صفا پردۂ ناموسِ ریاست
پیرِ ما گفت مس از سیم بباید اندود
فاش گفتم بتو اسرارِ نہانخانۂ زیست
بکسے باز مگو تا کہ بیابی مقصود

خطاب بہ انگلستان

مشرقی بادہ چشید است ز مینائے فرنگ
عجبے نیست اگر توبۂ دیرینہ شکست

فکرِ نوزادۂ او شیوۂ تدبیر آموخت
جوش زد خوں بہ رگِ بندۂ تقدیر پرست
ساقیا تنگ دل از شورشِ مستاں نشوی
خود تو انصاف بدہ ایں ہمہ ہنگامہ کہ بست؟
"بوئے گل خود بہ چمن راہ نما شد زنخست
ورنہ بلبل چہ خبر داشت کہ گلزارے ہست"

قسمت نامۂ سرمایہ دار و مزدور

غوغائے کارخانۂ آہنگری ز من
گلبانگِ ارغنونِ کلیسا ازانِ تو

نخلے کہ شہ خراج بر و می نہد ز من
باغِ بہشت و سِدرہ و طوبا ازانِ تو
تلخابۂ کہ دردِ سر آرد ازانِ من
صہبائے پاکِ آدم و حوّا ازانِ تو
مرغابی و تدرو و کبوتر ازانِ من
ظلِّ ہما و شہپرِ عنقا ازانِ تو
ایں خاک و آنچہ در شکمِ او ازانِ من
وز خاک تا بہ عرشِ معلّا ازانِ تو

نوائے مزدور

ز مُزدِ بندۂ کرپاس پوش و محنت کش
نصیبِ خواجۂ ناکردہ کار رختِ حریر
ز خوئے فشانیٔ من لعلِ خاتمِ والی
ز اشکِ کودکِ من گوہرِ ستامِ (۱) امیر
ز خونِ من چو زلو (۲) فربہی کلیسا را
بزورِ بازوئے من دستِ سلطنت ہمہ گیر
خرابہ رشکِ گلستاں ز گریۂ سحرم
شبابِ لالہ و گل از طراوتِ جگرم
بیا کہ تازہ نوا می تراود از رگِ ساز
مئے کہ شیشہ گداز د بہ ساغر اندازیم

(۱) ستام - سازِ اسپ (۲) زلو - جونک

مغان و دیرِ مغاں را نظام تازه دهیم
بنائے میکده هائے کهن بر اندازیم
ز رهزنانِ چمن انتقامِ لاله کشیم
به بزمِ غنچه و گل طرحِ دیگر اندازیم

بطوفِ شمع چو پروانه زیستن تا کے
ز خویش ایں همه بیگانه زیستن تا کے

خُرده

می خورد هر ذرّهٔ ما پیچ و تاب
محشرے در هر دمِ ما مضمر است
با سکندر خضر در ظلمات گفت
مرگ مشکل زندگی مشکل تر است

دُردانه اداشناسِ دریاست
از گردشِ آسیا چه داند

کلک را نالہ از تہی مغزی است
قلمِ سرمہ را صریرے نیست

منم کہ طوفِ حرم کردہ ام بتے بہ کنار
منم کہ پیشِ بتاں نعرہ ہائے ہُو زدہ ام
دلم ہنوز تقاضائے جستجو دارد
قدم بہ جادۂ باریک تر ز مُو زدہ ام

گل گفت کہ عیشِ نوبہارے خوشتر
یک صبح چمن ز روزگارے خوشتر
زاں پیش کہ کس ترا بدستار زند
مردن بکنارِ شاخسارے خوشتر

سخنگو طفلک و برنا و پیر است
سخن را سالے و ماہے نہ باشد

چشم را بینائی افزاید سہ چیز
سبزہ و آبِ رواں و روئے خوش
کالبد را فربہی می آورد
جامۂ قز، جانِ بے غم، بوئے خوش

اے برادر من ترا از زندگی دادم نشاں
خواب را مرگِ سبک داں مرگ را خوابِ گراں

طاقتِ عفو در تو نیست اگر
خیز و با دشمناں در آ بہ ستیز

سینہ را کارگاہِ کینہ مساز
سر کہ در انگبینِ خویش مریز

از نزاکت ہائے طبعِ مو شگافِ او مپرس
کز دمِ بادے زجاجِ شاعرِ ما بشکند
کے تواند گفت شرحِ کارزارِ زندگی
"می پرد رنگش، حبابے چوں بدریا بشکند"

در جہاں مانندِ جوئے کوہسار — از نشیب و ہم فراز آگاہ شو
یا مثالِ سیلِ بے زنہار خیز — فارغ از پست و بلندِ راہ شو

اے کہ گل چیدی مثال از نیشِ خار
خار ہم می روید از بادِ بہار

مزن وسمہ بر ریش و ابروئے خویش
جوانی ز دزدیدنِ سال نیست

ندارد کار با دوں ہمتاں عشق
تذروِ مردہ را شاہیں نگیرد

نقدِ شاعر در خورِ بازار نیست
ناں بسیمِ نسترن نتواں خرید

بطے می گفت بحر آزاد گردید
چنیں فرماں ز دیوانِ خضر رفت
نہنگے گفت رو ہر جا کہ خواہی
ولے از ما نباید بے خبر رفت

کتبہٗ :- عبدالمجید خوشنویس لوہار منڈی لاہور

در مطبع کریمی واقع لاہور
باہتمام میر امیر بخش طبع گردید